عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں

ادیب شان نجیب آبادی

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ

عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں

مصنف و مؤلفہ

محمد ایوب خاں نجیب آبادی (پبلشر)

ملنے کا پتہ

مینیجر مکتبۂ عبرت۔ نجیب آباد (یو۔پی)

مدینہ پریس بجنور میں باہتمام مولوی مجید حسن صاحب پرنٹر طبع ہوئی

بار اول ایکہزار　　(ماہ دسمبر ۱۹۳۸ء)　　قیمت فی جلد عمہ

فہرست مضامین "عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

دیباچہ

ہندوستان ہمیشہ حملہ آوروں کا آماجگاہ رہا ہے

ممالکِ عالم میں ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جو غیر معلوم زمانہ سے بیرونی اقوام کی دستبرد کا آماجگاہ رہا ہے۔ عہدِ قدیم کی تاریخ بتاتی ہے کہ ملایا۔ جاوا اور سماٹرا وغیرہ جزائر سے کچھ سیاہ فام قوموں نے کسی غیر معلوم قدیم زمانے میں ساحل کارومنڈل کی طرف سے داخل ہو کر جنوبی ہند اور بندھیاچل کے علاقوں پر قبضہ کیا کچھ زردی مائل اقوام سیام و آسام و برہما اور برہمپتر کی وادیوں سے بنگال میں داخل ہو کر اڑیسہ و بنگال و بہار میں پھیل گئیں۔ کچھ تبتی و منگولی گروہ ستلج کی وادیوں اور کشمیر کے درون میں ہوتے ہوئے شمالی ہند کے میدانوں اور کوہ ہمالیہ کے دامن میں آباد ہو گئے۔ عراق۔ بلوچستان۔ مسقط و عمان۔ عدن۔ سمالی لینڈ اور ساحل افریقہ سے کچھ سُرخ و سفید و سیاہ اقوام وادئ سندھ۔ گجرات۔ کاٹھیاوار۔ مہاراشٹر اور ساحل ملایا میں آ آ کر آباد ہوئیں۔ اس تمام مذکورہ مجموعہ اقوام کو مورخین نے ہندوستان کے قدیم باشندے قرار دے کر غیر آریہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ایک طویل زمانہ گزرنے کے بعد افغانستان و بلوچستان کی طرف سے ایک سفید فام و روشن چہرہ قوم پنجاب و سندھ کے میدانوں میں داخل ہوئی جو آریہ قوم کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ یہ آریہ قوم غیر قوموں کے مقابلہ میں زیادہ مہذب زیادہ

بہادر اور زیادہ طاقتور تھی۔ جس نے غیر آریوں کو میدانوں اور قابل زراعت رقبوں سے بیدخل کر کے پہاڑوں کی گھاٹیوں جنگلوں اور ریگستانوں میں پناہ لینے کے لئے مجبور کر کے اپنی ریاستیں اور حکومتیں قایم کرلیں۔ لیکن اس کے بعد بھی بیرونی اقوام کی حملہ آوریوں کا سلسلہ بند نہیں ہوا ترکستانیوں نے کشمیر و افغانستان کے راستوں سے حملہ کیا اور پہلے آئے ہوئے آریوں کو شکست دے کر خود فرمانروا ہو گئے اور چند ہی روز کے بعد آریوں میں آمیختہ ہو کر خود بھی آریہ قوم کا ایک جزو بن گئے۔ پھر ایرانیوں اور آذر بائیجانیوں نے ہندوستان کی طرف پیشقدمی کی اور وہ بھی اپنے پیشروؤں کی طرح آریہ قوم میں شامل اور جذب ہو کر اسی ملک میں زمین گیر و سکونت پذیر ہو گئے پھر یونانیوں نے حملہ کیا اُن کا بھی ایک حصہ ہندوستان میں رہ کر ہندوستان کی آریہ قوم کا ایک جزو بن گیا۔ پھر اسکائیوں نے اس ملک پر حملہ آوری کی اور وہ بھی اپنے سابقین کی طرح ہرچہ در کانِ نمک رفت نمک شد کی تصویر بن گئے۔ اگر کوئی شخص ہندوستان میں باہر سے آنے والی اقوام کو شمار کرنا چاہے تو صحیح طور پر شمار نہیں کر سکتا۔

ہندو مذہب اور ہندو تمدن

جس طرح نسلوں کے اعتبار سے ہندوستان مختلف قوموں اور نسلوں کا مجموعہ یا معجونِ مرکب ہے اسی طرح مذاہب وعقاید و مراسم کے اعتبار سے بھی لاتعداد مذاہب و مراسم کا گہوارہ رہا ہے ایک بالغ نظر۔ منصف مزاج اور محقق شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان اپنے محل وقوع اپنی آب و ہوا اور اپنی پیداوار کی وجہ سے بھی ایک ایسا ملک ہے جہاں کے باشندوں کو سب سے زیادہ روادار۔ مہمان نواز۔ نرم مزاج۔ بردبار اور صابر ہونا چاہئے۔ محبت کرنے اور غیروں کو اپنا بنا لینے کی صفت ہندوستانیوں میں سب سے زیادہ تلاش کی جا سکتی ہے اور باوجود اس کے کہ ملک کو ب اقوام ہونے کے سبب کوئی مستقل تمدن اور کوئی مستقل مذہب تمام بر اعظم ہند اور طویل زمانہ کے لئے قایم نہیں ہوا اور قایم نہیں رہ سکا تاہم قوموں اور نسلوں کے اختلاف اور عقاید و مراسم کی کثرت و مخالفت نے تھوڑی یا بہت کشمکشوں کے بعد ہر مرتبہ آخر کار اتحاد و سکون کی صورت ضرور اختیار کرلی اور اس طرح ہر ایک باہر سے آنے والی قوم

اور باہر سے آنے والے مذہب کو ہندوستانی وطنیت اور ہندوستانی مذہب میں اُس کا حق ملتا رہا۔ اور اس مجموعۂ اقوام کا نام ہندو قوم اور اس مجموعۂ مراسم کا نام ہندو تمدن اور مجموعۂ عقائد کا نام ہندو مذہب ہوا۔

مسلمان فتحمندوں کی خصوصیات

تاریخی زمانہ کی سب سے بعد میں آنے والی قوم مسلمانوں کی قوم تھی جو اپنا ایک نمایاں اور واضح مذہب بھی اپنے ہمراہ لائی مسلمانوں کی قوم پہلے آنے والی اقوام کے مقابلہ میں کچھ ایسی خصوصیات بھی رکھتی تھی جو کسی دوسری قوم میں موجود نہ تھیں۔ بلا استثنائے احدے دوسری ہر ایک باہر سے آنیوالی قوم نے ہندوستانیوں پر فتحمند ہونے کے بعد اُن کی قوم اور مذہب کو نقصان پہونچانے اور مٹانے کی کوشش میں کمی نہیں کی جس کا انجام ہمیشہ یہ ہوا کہ وہ فتحمند قوم خود بھی کمزور ہو کر ہندوستانی قوم کا جزو بن گئی۔ اور اُس کا مذہب بھی اپنے امتیازات کھو کر ہندوستانی مذہب و مراسم میں شامل ہو گیا۔ ہن۔ ستھین۔ کشانی۔ یونانی وغیرہ کے حالات اس کے لئے بطور گواہ پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن مسلمانوں نے فتحمند ہونے کے بعد ہندوستانی اقوام اور ہندوستانی مذہب کے ساتھ جس رواداری۔ شرافت۔ اور انسانیت کا برتاؤ کیا اس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ اور اقوام عالم کے حالات میں نظر نہیں آسکتی۔ محمد بن قاسم نے سندھ میں ہندوؤں اور برہمنوں اور ان کے مذہب کی جس سیر چشمی کے ساتھ سرپرستی کی اس کا خود ہندوؤں کو بھی اعتراف ہے۔ محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے فتحمند ہونے کے بعد ہندوؤں اور اُن کے ہندو مذہب کے ساتھ جس رعایت۔ ہمدردی اور محبت و بے تعصبی کا سلوک کیا ہندوستان کی قدیم تاریخوں کے صفحات میں اس کی تفصیل مندرج ہے۔ علاء الدین خلجی اور اس کے جانشینوں نے جس طرح مسلمانوں پر ہندوؤں کو ترجیح دی اور ہندوؤں کو اُن کی قابلیت اور استحقاق سے زیادہ مرتبے اور خود مسلمانوں پر فرمانروائی کے موقعے دے کر ہندوؤں میں حوصلہ مندی و اولوالعزمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہندوستان کی عام اور مشہور و متداول تاریخوں سے بھی اس کے شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان سب

باتوں کو مکمل و مدلل طور پر یکجا ملاحظہ کرنا ہو تو ہندوستان کی مشہور آفاق تاریخ موسومہ آئینہ حقیقت نما مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی میں ہر شخص مطالعہ کر سکتا ہے جس کے دو ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس جگہ کسی تفصیل و تشریح کی مطلق ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

مسلمانوں نے ہندوؤں پر کس قدر اعتماد کیا

مسلمانوں نے چونکہ ہندو مذہب اور ہندو قوم پر کوئی ناجائز اور نامناسب دباؤ نہیں ڈالا بلکہ مسلمانوں کے اکثر سلاطین مثلاً فیروز شاہ تغلق۔ سلطان زین العابدین کشمیری۔ بنگال کو مسلمان بادشاہ حسین شاہ و نصرت شاہ۔ اکبر تیموری۔ دارا شکوہ وغیرہ نے ہندو مذہب۔ ہندوؤں کے علوم سنسکرت زبان اور ہندو تمدن و معاشرت کی عظیم الشان خدمت اور سرپرستی میں وہ کارنمایاں انجام دیئے جو کسی ہندو راجا مہاراجا سے بھی ممکن نہ ہوئے لہٰذا باوجود اس کے کہ مسلمان اور ان کا مذہب دونوں ہندو قوم اور ہندو مراسم میں جذب نہ ہوئے اور ان کے قومی و مذہبی امتیازات باقی رہے ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایسی یگانگت و ہمدردی اور محبت و رواداری قایم ہوئی کہ جس کی نظیر تاریخ عالم میں دستیاب نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان میں کم و بیش آٹھ سو سال تک مسلمانوں کی حکومت و شہنشاہی قایم رہی اس طویل مدت میں کوئی زمانہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا کہ مسلمان بادشاہوں کے وزیروں۔ سپہ سالاروں۔ صوبوں کے گورنروں۔ شاہی مشیروں اور صلاح کاروں میں ہندو شامل نہ ہوں۔ صرف سلاطین مغلیہ ہی مخصوص نہیں ہیں بلکہ سلاطین عہد افغانیہ دکن کے مسلم سلاطین بہمنیہ۔ عادل شاہی و نظام شاہی وغیرہ سلاطین دکن۔ شاہان گجرات شاہان بنگال۔ شاہان کشمیر۔ شاہان جونپور۔ شاہان مالوہ وغیرہ کو بھی ہندوؤں کے ساتھ رشتہ داریاں قایم کرنے اور ان کو مسلمانوں کی برابر حقوق عطا کرنے میں کبھی تامل نہیں ہوا۔ عہد آخر یعنی اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں بھی جبکہ مغلیہ سلطنت پارہ پارہ ہو چکی تھی اور الگ الگ صوبوں میں مسلمانوں کی خود مختار ریاستیں قایم ہو گئی تھیں مسلمان رئیسوں نے اپنی اپنی ریاست کی باگ ڈور عموماً ہندو وزیروں اور ہندو مشیروں کے ہاتھ میں دے رکھی تھی اور کسی کے دل میں بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ ہندو محض ہندو ہونے کی وجہ سے بے وفائی کرے گا۔ بنگالہ کے

نوابوں۔ بہار کے مسلمان فرمانرواؤں اودھ کے حاکموں۔ پنجاب و روہیلکھنڈ کے مسلمان رئیسوں دکن کے مسلمان فرمانروں۔ سندھ اور ملتان کے سرداروں نے یکساں طور پر ہندوؤں پر اعتماد کیا مرشد قلی خاں صوبہ دار بنگالہ۔ علی وردی خاں نواب بنگالہ۔ نواب ذکریا خاں و یحییٰ خاں و میر منو وغیرہ حاکمان پنجاب۔ حافظ رحمت خاں نواب بریلی۔ نواب نجیب الدولہ امیر الامرائے ہند۔ محمد خاں و احمد خاں بنگش نوابان فرخ آباد۔ خاندان نظام و سلطان حیدر علی و سلطان ٹیپو فرمانروایان دکن۔ نواب سعادت خاں و صفدر جنگ و شجاع الدولہ و آصف الدولہ وغیرہ فرمانروایان اودھ کے حالات اور ان سب کی مفصل سوانح عمریاں مطالعہ کرو تو حیران رہ جاؤ گے کہ سب کے وزراء میں سب کے مشیروں میں۔ سب کے انتظامی اہلکاروں میں سب کے فوجی سرداروں میں سب کے دفتری اہلکاروں میں ہندو موجود اور اکثر حالتوں میں مسلمان اہلکاروں کے مقابلے میں زیادہ بارسوخ اور زیادہ راز دار و ذی وقار موجود ملیں گے۔

ہندو مسلمانوں میں کس قدر اتفاق تھا

اب سے چالیس پچاس سال پہلے کسی کو اس بات کا یقین نہیں دلایا جا سکتا تھا کہ ہندوستان میں کبھی ہندو مسلمان اس لئے ایک دوسرے سے لڑے کہ اُن کے مذہب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ قطب الدین ایبک کے زمانے سے لے کر خاندان مغلیہ کے خاتمے اور ہنگامۂ ۱۸۵۷ء تک تو ہندوستان میں مذہب کی وجہ سے کوئی قابل تذکرہ لڑائی ہندو مسلمانوں میں ہوئی نہیں مستقل اور پائدار حکومتوں کے زمانے میں تو کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔ ہاں طوائف الملوکی اور بدامنی کے زمانے میں ممکن تھا کہ اس قسم کی کوئی لڑائی ہوتی مگر نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک اور مہاراجہ ہلکر کی دوستی و یک جہتی کا حال دیکھنا ہو تو نواب امیر خاں کی سوانح عمری پڑھو۔ پانی پت کی آخری تیسری لڑائی کو بھی اس لئے ہندو مسلم جنگ کہا جاتا ہے کہ ایک طرف زیادہ تعداد ہندوؤں کی تھی اور دوسری طرف سب مسلمان ہی تھے۔ لیکن اس لڑائی کے صحیح اور مستند حالات مطالعہ کرو تو معلوم ہو کہ احمد شاہ درانی اور شمالی ہند کے پٹھان سرداروں کی مسلمان فوج میں کاشی رام۔ چیت رام اور کئی دوسرے ہندو اہلکار مسلمانوں کی طرف سے

ذمہ دارانہ خط وکتابت مرہٹوں کے سپہ سالار سداشیوراؤ بھاؤ سے کرتے رہے تھے اور شجاع الدولہ کی فوج میں کئی فوجی سردار ہندو تھے۔ اور انھیں ہندو اہلکاروں اور ہندو سرداروں کو مسلمانوں کی طرف سے شرائط صلح طے کرنے میں ذمہ دارانہ اختیارات حاصل تھے۔ اُدھر مرہٹوں کی فوج پر سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ طاقتور حصۂ فوج کے سپہ سالار ابراہیم خاں گاردی اور فتح خاں گاردی تھے۔ ہندوستان کی تاریخ سے ایک اندھا بھی ٹٹول کر ہزاروں نہیں بلکہ لاتعداد شواہد ایسے فراہم کر سکتا ہے جس سے ثابت ہو کہ مذہبی اختلاف کی بنا پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں کبھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ اور بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ مسلمانوں نے ایک نالائق۔ بدچلن اور بے عمل مسلمان کا ساتھ چھوڑ کر کسی منصف مزاج اور ہمدرد ہندو کی حمایت کی ہے۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو عدل وانصاف کے معاملے میں کس طرح مسلمانوں کے مساوی سمجھا اس کی صحیح اور مفصل داستان تو آئینۂ حقیقت نما کی جلدوں میں مطالعہ کی جا سکتی ہے۔ میں صرف اسی قدر اشارہ کر سکتا ہوں کہ سولھویں صدی عیسوی کے درمیانی حصہ میں صرف شیر شاہ اعظم ہی نے ایک غریب اور معمولی ہندو کی فریاد سن کر اپنے بیٹے اور ولیعہد سلطنت کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کیا بلکہ عدل وانصاف اور بے تعصبی کی ایسی شاندار مثالوں کا سلسلہ اُنیسویں صدی عیسوی تک مسلسل نظر آتا ہے۔ نجیب آباد کے ایک نواب نے اُنیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشرہ میں ایک ہندو بیوہ عورت سے یہ شکایت سن کر کہ اُس کی شوق ومحبت سے پرورش کی ہوئی گائے ایک پٹھان سردار کے نوجوان لڑکے کے ہاتھ سے بندوق کی گولی کھا کر مر گئی ہے حکم دیا کہ اس نوجوان کو جس نے ہندو بیوہ عورت کی گائے مار ڈالی ہے بندوق کی گولی سے ہلاک کر دیا جائے یہ حکم سن کر دربار کے تمام امیروں اور سرداروں نے نوجوان کی جان بچانے کے لئے سفارش کی مگر نواب نے سب کی سفارش کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ عوام کو اس بات کا معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ ہندو عورت کو جس کا کوئی سفارشی نہیں ہے ہمارے دربار سے انصاف مل سکتا ہے یا نہیں آخر کار جب نواب کے حکم کی تعمیل کا وقت قریب آیا اور عورت کو یقین ہو گیا کہ اب نوجوان لڑکا ضرور ہلاک کر دیا جائے گا تو وہ خود ہی روتی اور شور مچاتی ہوئی دوڑی اور نواب کے پاؤں میں گر پڑی اور کہا کہ میں نے انصاف پا لیا۔ میں نے اپنی گائے کا خون معاف کیا۔ خدا کے لئے

اس نوجوان کو چھوڑ دیجئے ورنہ اس سے پہلے مجھے ہلاک کر دیجئے۔ نواب نے اس عورت کی سفارش کو منظور فرمایا۔ نوجوان کی جان بچ گئی۔ عورت کو بہت سا روپیہ اور کئی گائیں عطا فرمائیں اُس زمانہ میں نواب کا یہ فیصلہ کچھ زیادہ حیرت انگیز نہیں سمجھا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر کرنے سے میرا یہ مطلب نہیں کہ میں نواب معین الدین خاں کے اس فیصلہ کو قابل تعریف قرار دیتا ہوں کہ ایک چوپایہ کے عوض ایک انسان کی جان لینے پر آمادہ ہو گئے بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عام طور پر ۱۸۵۷ء کے بعد تک بھی ہندوؤں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ محبت و احسان کا برتاؤ کرنے کا جذبہ موجود تھا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے پہلے کے آدمی قریباً سب فوت ہو چکے ہیں۔ اُن کی زبانی حالات سن کر بھی آسانی سے آجکل کے ہندو اور مسلمان دونوں اس حقیقت کو سمجھ سکتے تھے کہ ہندو اور مسلمان دونوں کس طرح اس ملک میں شیر و شکر ہو کر آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

دنیا کی سب سے بڑی دروغگوئی

میں نے کئی سال ہوئے ایک کتاب جس کا نام "ہفت عجائباتِ عالم" تھا پڑھی تھی۔ اس کتاب میں تاج گنج کے روضہ۔ دریائے ایمزان کے پل۔ چین کی دیوار۔ مصر کے اہرام وغیرہ کو عجائبات عالم میں شمار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عمارتیں ہرگز عجائبات عالم میں شمار ہونے کی قابل نظر نہیں آتیں جبکہ دنیا کی اس سب سے بڑی عجیب چیز پر غور کیا جاتا ہے کہ کس طرح سفید جھوٹ کی ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی ہے اور کس طرح براعظم ہند کے تیس پینتیس کروڑ باشندوں کو مسحور و معمول بنا کر اُن کے دماغوں کو ماؤف کر دیا گیا ہے کہ وہ سب کے سب اصل حقیقت کے خلاف یہ یقین کرنے لگے کہ ہندو اور مسلمان دونوں ہمیشہ سے ایک دوسرے کے جانی دشمن۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور ایک دوسرے کی تخریب و تذلیل و تحقیر میں رات دن مصروف رہتے تھے اور ان دونوں قوموں نے قریباً ایک ہزار سال کی طویل مدت اسی حالت میں ایک دوسرے پر غراتے۔ ایک دوسرے کو بھنبوڑتے اور جھنجوڑتے ہوئے گزاری ہے جیسی کہ اب چالیس پچاس سال سے گزار رہے

ہیں۔ آج اسکولوں اور کالجوں کے فریب خوردہ وسحر زدہ تعلیم یافتوں پر سے مذکورہ دروغبانی کی اثر کو زائل کرنا اور اس بات کا یقین دلانا سر تا سر غیر ممکن اور سخت دشوار ہو گیا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں میں مذہبی منافرت کا یہ رنگ جو آج موجود ہے اس سے پہلے کبھی موجود نہ تھا۔ ہندوؤں کے مشہور مذہبی پیشوا را مانج کے چیلے را آنند اور را مانند کے شاگرد کبیر جو قوم سے مومن یعنی جلاہے تھے تمام عمر یہی وعظ و اعلان کرتے رہے کہ خدا ایک ہے اور وہ واحد و لاشریک ہی عبادت کا مستحق ہو اسی ایک ذات پاک کے الگ الگ نام لوگوں نے رکھ لئے ہیں۔ ہندو مسلمانوں کو متفق ہو کر نافع الناس اور خادم خلق بننا چاہئے۔ نام دیو نامی ایک مشہور پنڈت نے دکن کی مرہٹی زبان میں لوگوں کو یہی تعلیم دی کہ ہندو اور مسلمانوں کا خدا ایک ہے۔ بنگال میں مشہور ہندو عالم چیتنیا نے بھی ہندو مسلمانوں کو مساوات کی تعلیم دی اور بہت سے مسلمان اُن کے شاگرد ہوئے۔ پنجاب میں گرو بابا نانک نے بھی ہندوؤں کو توحید الٰہی کی تعلیم دی اور اپنے مریدوں کے دلوں میں قرآن مجید کی عزت و عظمت قایم کی۔ آج سکھوں کو شاید بڑی ہی مشکل سے اس بات کا یقین ہوتا ہوگا کہ گورو بابا نانک نے ملتان کے ایک مسلمان بزرگ کی خانقاہ میں چالیس دن کا اعتکاف کیا اور میاں میر صاحب ایک مشہور صوفی نے امرتسر کے گورودوارے کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھا ہندوستان کی عام تاریخوں میں جہانگیر بادشاہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک ہندو فقیر کی زیارت کے لئے خود پیدل چل کر گیا۔ اور اکبر تے کہ وہ بھی مسلمان بادشاہ تھا ہندوؤں کی اس قدر حمایت کی کہ اس کی قوم کے لوگ اُس سے اس لئے ناراض ہوئے کہ ہماری علانیہ حق تلفی کی گئی ہے ایک دوسرے کے مذہبی پیشواؤں کو گالی دینا اور بُرا کہنا تو کسی ہندو یا کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتا تھا مسلمانوں کو تو خود قرآن مجید نے اس پاجی پن سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے کہ

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (الانعام ۱۳)	اور مسلمانو! جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کو حاجت روائی کے لئے بلاتے اور اُن کی پرستش کیا کرتے ہیں اُن کو بُرا نہ کہو کہ یہ لوگ بھی براہ نادانی ناحق و نامناسب طور پر خدا کو بُرا کہیں گے۔

ہندوؤں کو دیکھتے ہیں کہ اُن میں مذکورہ قسم کی مثالیں تو بکثرت ہر زمانہ میں موجود ملتی ہیں

لیکن ایسی کوئی پاجی پن کی مثال نظر نہیں آتی جیسی کہ انھوں نے اس آخری چالیس پچاس سال کے عرصہ میں مسحور اور مذکورہ سفید جھوٹ سے متاثر ہونے کے بعد دکھائی ہیں۔

ہندو مسلم اتفاق کا صحیح نظارہ

ہمارے اس شہر نجیب آباد میں آج بھی غالباً سیکڑوں ہندو ایسے موجود ہوں گے جو اس بات کی گواہی دے سکیں گے کہ نواب نجیب الدولہ مرحوم مغفور کی قبر پر جمعرات کے دن مسلمان تو بہت ہی کم مگر ہندو بہت زیادہ بتاشے اور مٹھائیاں چڑھانے جاتے تھے اور نجیب الدولہ کے نام کی منتیں مانتے تھے اور اکثر مسلمان ہندوؤں کی اس حرکت پر ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے ہندو نواب نجیب الدولہ کی قبر کے ساتھ وہ سب کچھ کرتے تھے جو کسی دیوتا کے لئے مندروں میں کیا جاتا ہے۔ کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ میں ہندوؤں کی اس گورپرستی اور مشرکانہ عقیدے کی تعریف کر رہا اور داد دے رہا ہوں۔ بلکہ میرا مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہندوؤں کے ذہن میں ایک مسلمان فرمانروا کی کس درجہ اور کس قسم کی تعظیم و توقیر جاگزیں تھی جو یقیناً نجیب الدولہ کے اس طرز عمل کا نتیجہ تھی جو انھوں نے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ برتا تھا۔ مگر نجیب آبادی ہندوں کی آج کی پود نجیب الدولہ کو برا کہنا اور ان کو اپنا دشمن سمجھ کر ان کے خلاف بیہودہ گوئی کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے چنانچہ آٹھ دس سال کا ذکر ہے کہ ضلع بجنور کے ایک نو وارد انگریز کلکٹر سے نجیب آباد کے ایک ہندو رئیس ملاقات کرنے گئے۔ صاحب بہادر نے ملاقات کے وقت نجیب آباد کے بانی نواب نجیب الدولہ کا ذکر کیا تو لالہ صاحب نے فرمایا کہ ....

.... "حضور! نواب نجیب الدولہ تو ایک ڈاکو تھا اور وہ تو حضور کے نوکروں کے برابر بھی نہ تھا" اس ملاقات اور لالہ جی کے ان الفاظ کا حال مولانا اکبر شاہ خاں صاحب مرحوم کو معلوم ہوا تو انھوں نے نہایت طیش کی حالت میں فوراً ایک مضمون لکھ کر غالباً اخبار مدینہ میں شائع کرایا۔ اس وقت وہ دلچسپ مضمون میرے سامنے نہیں ہے مگر مجھے یاد ہے کہ اس میں ایک فقرہ اس مفہوم کا بھی تھا کہ مرے ہوئے شیر کی مونچھیں اکھیڑ کر اپنی بہادری کی ڈینگیں مارنا انتہا درجہ کی نامردی و بزدلی ہے" اس مضمون کے شائع ہونے پر

لالہ صاحب کو اُن کے دوستوں نے جو واقف حال تھے خوب لعنت ملامت کی اور نواب محمد عبدالسلام خاں صاحب مرحوم نجیب آبادی پنشنر جج نے جو اُس وقت تک زندہ رامپور میں موجود تھے مولانا ممدوح کو ایک نہایت دلچسپ خط لکھا۔

حکایت اس جگہ یہ تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ پانی پت کی تیسری عظیم الشان لڑائی کے بعد جبکہ نواب نجیب الدولہ ہندوستان کے امیر الامرا (سپہ سالار اعظم) اور وزیر اعظم تھے اور ساڑھے چودہ ہزار میل مربع کا آباد و زرخیز رقبہ اپنی ذاتی جاگیر اور ریاست کے طور پر رکھتے تھے۔ اُن کی والدہ کا انتقال ہوا۔ نجیب آباد کی آبادی کے جنوب کیجانب آبادی کے متصل ایک کھیت میں ان کی قبر کھودنے کی تجویز اس لئے ہوئی کہ یہاں قبر پر مقبرہ بھی بنایا جائے گا۔ نجیب الدولہ خود مقبرہ کے حامی اور مجوزہ تھے اُن کے بھائی سلطان خاں مقبرہ بنانا ضروری سمجھتے تھے۔ وہ کھیت محلہ رمپورہ (رامپور بنواری) کے زمینداروں کے قبضہ میں تھا جو جاٹ تھے۔ نجیب الدولہ نے کہا کہ جاٹوں کی رضامندی کے بغیر ہرگز قبر نہ کھودی جائے جاٹ رضامند نہ ہوئے۔ آخر دوسری جگہ تجویز ہوئی اتفاقاً وہ بھی ہندوؤں کی کاشت میں تھی۔ پھر معلوم ہوا کہ شہر کے اردگرد کا علاقہ عموماً ہندو کاشتکاروں کے تصرف میں ہے اور کوئی ہندو اس پر رضامند نہیں کہ اپنے کھیت میں نجیب الدولہ کی والدہ کو دفن ہونے دے اور اس طرح کھیت سے بیدخل ہو جائے۔ نجیب الدولہ سخت حیران ہوئے مسلمانوں کے مقررہ عام قبرستانوں میں دفن کرنے کے لئے نواب سلطان خاں رضامند نہیں ہوتے تھے۔ مجبور ہو کر نواب نجیب الدولہ مرحوم نے حکم دیا کہ تابوت تیار کیا جائے اور جنازہ کو مانارئی (علاقہ سرحد) میں لے جا کر دفن کیا جائے (جہاں کے نجیب الدولہ اصل باشندے تھے) چنانچہ تابوت تیار ہو کر جنازہ کی روانگی کا بندوبست ہوا اور اس جنازہ کو حفاظت کے ساتھ لے جانے کے لئے ایک دستۂ فوج کو بھی کمر بندی کا حکم دے دیا گیا۔ یہ خبر فوراً مشہور ہو گئی اور رمپورہ کے جاٹوں کو بھی اس کا علم ہوا کہ ہمارے انکار نے کیا صورت پیدا کر دی ہے۔ نجیب آباد کے بعض جاہل مسلمان مذاقیہ لہجہ میں کہتے تھے کہ نجیب الدولہ عجیب آدمی ہے اس کو عجیب الدولہ کہنا چاہئے کہ پانی پت کی لڑائی اسی کے دم قدم سے فتح ہوئی۔ اسی کے نام پر احمد شاہ درانی نے فتح نامے لکھوائے۔ ہندوستان کا وزیر اعظم اور

سپہ سالار اعظم ہے اور دلی میں پادشاہ کی قایم مقامی کر رہا ہے گویا سارے ہندوستان کا مالک ہے اور اس کی فوت شدہ ماں کو قبر کے لئے جگہ نہیں ملتی لیکن ہندو جاٹوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ جنازہ کی روانگی کا حال سن کر خود ہی بھاگے ہوئے آئے اور بمنت والحاح عرض کیا کہ آپ ہمارے کھیت میں شوق سے قبر اور مقبرہ بنائیں۔ بڑی ردوکد اور پیہم عرض و معروض اور اصرار کے بعد نجیب الدولہ اس بات پر رضامند ہوئے کہ جاٹ اپنے کھیت کی قیمت لے کر بیعنامہ لکھ دیں چنانچہ ان کو گرانقدر نقدی دے کر بیعنامہ لکھایا گیا اور نجیب الدولہ نے بیعنامہ کی تحریر کے بعد اپنی طرف سے ایک وسیع رقبہ کی زمینداری ان کو عطا کی جو آج کل چوگانوے کے نام سے موسوم ہے اور جاٹوں کے مذکورہ خاندان کی بربادی کے بعد کسی دوسرے کی زمینداری میں ہے جو کھیت خریدا گیا تھا اُس کے وسط میں نجیب الدولہ کی والدہ دفن کی گئیں۔ اُن کی قبر کے اردگرد ایک مختصر مقبرہ بنایا گیا۔ اس مقبرہ کے چاروں طرف چاردیواری اور کونوں پر چار برج تعمیر ہوئے نواب سلطان خاں نے اس احاطۂ مقبرہ کے متصل ایک باغ لگایا۔ اردگرد کی چاردیواری سے جو رقبہ محدود تھا اس میں اب ہائی اسکول۔ بورڈنگ ہاؤس کئی باغیچے وغیرہ بن گئے ہیں۔ اس چاردیواری کا ایک مسمار شدہ برج اس جگہ تھا جہاں اب دلارام گڈریئے کا مکان اور کارخانہ ہے۔ نواب سلطان خاں کا باغ جو بارہ دری کے نام سے موسوم ہے وہ بھی ۱۸۵۷ء کے بعد کئی مرتبہ نیلام ہوتا اور مختلف لوگوں کے قبضے میں آتا ہوا اب تباہی و ویرانی کی حالت میں موجود ہے۔ نجیب الدولہ بھی فوت ہونے کے بعد اپنی ماں کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ نجیب الدولہ اور اُن کی ماں کا یہ مقبرہ جس کی مرمت ۱۸۵۷ء کے بعد نواب رامپور نے کرا دی تھی ریلوے اسٹیشن اور نجیب آباد کی آبادی کے درمیان موجود ہے اور اس کے احاطہ کی زمینوں پر ہندوؤں کا قبضہ ہے۔

تبصرہ میں نے یہ طویل حکایت محض اس لئے درج کی ہے تاکہ یہ حقیقت بآسانی سمجھ میں آجائے کہ نواب نجیب الدولہ جو ایک باخدا اور پابند مذہب شخص تھے اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب سے قوی عقیدت رکھتے تھے وہ جسقدر زیادہ پابند مذہب تھے اُسی قدر زیادہ ہندوؤں کے حال پر مہربان تھے۔ جو مسلمان فرمانروا مذہب کا پابند نہیں تھا اُسی

کے ہاتھ سے ہندوؤں کو بھی نقصان پہونچا اور مسلمانوں کو بھی۔ پس یہ کہنا کہ مذہب کی وجہ سے مسلمانوں نے ہندوؤں کو نقصان پہونچایا سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔

آمدم برسر مطلب سیکڑوں ہندو ابھی تک اس بات کی گواہی دینے کے لئے نجیب آباد میں زندہ موجود مل سکتے ہیں جنھوں نے نام نہاد مسلمانوں (برائے نام مسلمانوں) کے تعزیوں پر مٹھائیاں چڑھائی ہیں اور ان نام نہاد مسلمانوں سے زیادہ تعزیوں کی تعظیم کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے۔ مسلمانوں کے گھروں میں عام طور پر بڑے بڑے امیر اور خوشحال بنیوں، کھتریوں اور برہمنوں کی عورتیں بالکل اسی طرح بیباکانہ آتی جاتی تھیں جیسے اپنے رشتہ داروں میں۔ مسلمانوں کے گھروں میں عموماً صحن وسیع ہوتے تھے اور بیری، امرود، انار، جامن وغیرہ درخت زیادہ تر مسلمانوں کے گھروں میں پائے جاتے تھے۔ ہندوؤں کے گھروں میں صحن چھوٹے مکان عموماً دومنزلہ اور تاریک ہوتے تھے اس لئے ہندوؤں کے گھروں میں یہ درخت نہیں ہوتے تھے لہذا عموماً ہندو عورتیں اپنے اپنے تعلق والے اور جان پہچان مسلمان گھروں میں بے تکلفانہ داخل ہو جاتیں مسلمان گھروں کی عورتیں محبت کے ساتھ ان کو خوش آمدید کہتیں کوئی بیٹی۔ کوئی پھوپی۔ کوئی نانی کوئی دادی کہہ کر مخاطب کرتی۔ مسلمان مرد اگر گھروں میں ہوتے تو ہندو عورت کے گھر میں داخل ہوتے ہی فوراً باہر چلے جاتے۔ بیروں کے موسم میں بیر اور جامنوں کے موسم میں جامنیں توڑی جاتیں اور ٹوکری بھر کر ساتھ کر دی جاتیں۔ گویا سالانہ خراج تھا جو ایک نے ادا اور دوسری نے وصول کیا۔ مسلمانوں میں چونکہ پردہ ہوتا ہے اور ہندو عورتیں قطعاً پردہ نہیں کرتی تھیں لہذا وہ اپنے یہاں کے تحفے اور ہدیئے خود دے کر آتیں۔ کبھی اچار، کبھی پکوان، کبھی عید و شب برات کے موقع پر شکر اور سویاں لاتیں۔ تیوہاروں کے موقع پر ہندو اور مسلمان مردوں میں بھی ایک دوسرے کی طرف تحفے بھیجے جاتے تھے۔ بیاہ شادی کے موقع پر ہندوؤں کی بارات میں جس طرح آدھے ہندو اور آدھے مسلمان ہوتے تھے اسی طرح مسلمانوں کی بارات میں ہندو ضرور شامل ہوتا اگر بارات کسی دوسرے شہر میں جاتی تو مسلمانوں کی بارات میں شامل ہونیوالے ہندوؤں کی سب سے زیادہ تکریم و تعظیم مدنظر رکھی جاتی تھی اور ہر مسلمان باراتی یہ سمجھتا کہ اس ہندو باراتی کو آرام پہنچانا میرا فرض ہے اسی طرح ہندوؤں کی بارات میں مسلمانوں کی خاطر مدارات حد سے زیادہ مدنظر رکھی جاتی تھی سنہ ۵۷ء کے بعد تو مسلمان تباہ و برباد ہی ہو گئے اور ہندو ان کو اپنے یہاں نوکر

رکھنے لگے اور بامعاوضہ اُن سے اپنی حفاظت کا کام لینے لگے۔ لیکن اس سے پہلے یہ دستور تھا کہ کسی ہندو دوکاندار کو دہلی۔ فرخ آباد۔ گڈمکتیشر۔ کوٹ دوار۔ ہردوار۔ سہارنپور۔ منظفر نگر وغیرہ سے مال منگوانا یا بھجوانا یا خود سفر کرنا ہے تو اُس نے اپنے مسلمان دوست سے تذکرہ کیا کہ خانصاحب آپ کو امداد کرنی پڑے گی .... بس خانصاحب تنہا یا اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی جیسا موقع اور جسقدر آدمیوں کی ضرورت ہو تلوار و بندوق وغیرہ سے مسلح ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے۔ اور مال کی گاڑیاں منزل مقصود تک بحفاظت پہونچا آئے یا ہمراہ لے آئے۔ لالہ جی نے شکریہ معمولی الفاظ میں ادا کیا اور خانصاحب خوش ہو گئے اگر لالہ جی نے بطور معاوضہ کوئی سامان یا نقدی پیش کرنے کی حماقت کی تو خانصاحب نے گالیاں دینی شروع کیں۔ اور کہا کہ کیا تو نے ہم کو اپنا نوکر سمجھا ہے؟ بس یاری کٹ ہو گئی۔ اب لالہ جی کو خانصاحب کا منانا اور رضامند کرنا دشوار ہوتا تھا۔ اور بڑی مشکل سے رضامند کرتے تھے نجیب آباد کے ہر ایک پٹھان کا یہ مقولہ تھا کہ ہم ہندؤں کے محافظ ہیں اگر نجیب آباد کے کسی ہندو کو کسی باہر کے آدمی نے لوٹ لیا یا نقصان پہونچایا تو ہماری ناک کٹ جائے گی یہ جذبہ تھا جو نجیب آباد کی فرمانروا قوم کے ہر فرد کے دل میں موجزن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۸۵۰ء سے بہت پہلے جب موضع ساہن پور کے رئیس پر (جس کا نام غالباً جہان چند تھا) ڈاکو چڑھ آئے اور رئیس مذکور ڈاکوؤں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے تو یہ شام کا وقت تھا اور نجیب آباد میں اس ڈاکے اور رئیس ساہن پور کے مارے جانے کی خبر ایسے وقت پہونچی کہ نماز مغرب کے بعد پٹھانپورہ کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں کھانا کھا رہے تھے یا کھانا کھانے بیٹھے یا کھانا کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے۔ اس خبر کے سنتے ہی تمام محلہ میں ہلچل مچ گئی اور پٹھان لوگ کھانا چھوڑ کر اپنے اپنے ہتھیار لے کر یکلخت گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور اپنے بچوں اور عورتوں کو بے پناہ حالت میں چھوڑ کر سیدھے نواب کے مکان پر پہونچے اور وہاں یہ دیکھ کر کہ نواب کے دربان غافل نہیں ہیں اور خطرہ کچھ نہیں سیدھے شالی محلہ پہونچکر تمام محلہ کا محاصرہ کر لیا اور مناسب ناکوں پر ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور ایک جماعت نے مالن ندی کے گھاٹ پر قیام کیا اور شالی محلہ کی طرف سے جو خالص ہندؤں کا محلہ اور موضع ساہن پور کے سامنے اور بالکل

قریب تھا مطمئن ہوکر اور خوب مضبوطی کرکے ایک دوسری جماعت کو ساہن پور بھیجا گیا جہاں معلوم ہوا کہ ڈاکو جنگل کی طرف فرار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ہر خطرہ کے موقع پر نجیب آباد کے پٹھانوں نے ہندؤں کے جان ومال کی حفاظت کے متعلق کبھی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن آجکل نہ وہ پٹھان موجود ہیں نہ ان کی نسلیں باقی ہیں اور نہ وہ ہندو باقی ہیں۔ ہندؤں میں بھی کوئی قدیم تاریخی خاندان باقی نہیں رہا اگر کچھ لوگ قدیم تاریخی خاندانوں کی یادگار باقی بھی ہیں تو سب تباہ حال اور کس مپرسی کی حالت میں ہیں تاہم ان میں قدیم اخلاق کی جھلک موجود ہے اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت و نفرت بھی نہیں کرتے۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی کوئی قدیم تاریخی خاندان باقی نہیں رہا عموماً آفاقی۔ نو دولتے اور ایسے لوگ جن کو اپنے دادا تک کا نام بھی معلوم نہیں کہ کون تھے۔ کس قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ کہاں کے رہنے والے تھے۔ مرد میدان بنے ہوئے مسلمانوں کی قوم کو بدنام و رسوا کر رہے ہیں۔ اور اپنی رذالتوں سے نجیب آباد کی شہرت کو نقصان پہونچا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ روایات قدیم کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں رہا خود غرض لوگوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں کیسے رک سکتی ہیں پورانے لوگوں کی شرافت کا یہ تقاضا تھا کہ ہندؤں کی بہو بیٹیوں کو مسلمان اپنی ماں بہنوں کی طرح سمجھتے تھے اور اسی طرح ہندو ہمیشہ مسلمانوں کی ناموس کا خیال رکھتے تھے۔ کوئی مجلس اور کوئی نشستگاہ ایسی نہیں تھی جس میں ہندو اور مسلمان دونوں موجود نہ ہوتے ہوں اور ان میں دوستانہ تعلقات قایم نہ ہوں۔ آج اُن باتوں کو خواب و خیال بلکہ سراسر جھوٹ اور غلط سمجھا جاتا ہے۔ کوئی ہندو کسی مسلمان محلے میں اور کوئی مسلمان کسی ہندو محلے میں نظر نہیں آتا۔ ہندؤں کی کسی نشستگاہ میں مسلمان اور مسلمانوں کی کسی نشستگاہ میں ہندو نہیں جاتا یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان سب بدل چکے ہیں اور ایک شہر میں رہنے والی دونوں قومیں ایک دوسرے سے بالکل اجنبی بلکہ ایک دوسرے کی جانی دشمن بن چکی ہیں۔ میں نے زیادہ تر مثالیں اپنے ہی شہر نجیب آباد کی لکھی ہیں اور اس قسم کے صحیح اور سچے واقعات ہزارہا کی تعداد میں فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہندوستان کے دوسرے تمام شہروں پر بھی یہی حالات صادق آسکتے ہیں۔ اور وہاں بھی اسی قسم کا انقلاب رونما ہوا ہوگا۔

فریب بازی و دروغگوئی کا ایک علاج

ہندو مسلمانوں کے قدیمی خوشگوار تعلقات پر پردہ ڈالنے اور سراسر جھوٹ اور غلط تصورن قایم کرانے کے لئے خود غرض اور مطلب پرست لوگوں کی طرف سے (جن کا مقصد ہندو مسلمانوں کی لڑائی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے) کہا جاتا ہے کہ فلاں مسلمان بادشاہ نے فلاں ہندو راجا پر چڑھائی کی تھی اور دیکھو فلاں ہندو راجا نے فلاں مسلماں بادشاہ کو کیسے ناک چنے چبوائے تھے وغیرہ۔ ان فتنہ پرداز لوگوں سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا کسی مسلمان بادشاہ نے کسی مسلمان بادشاہ پر چڑھائی نہیں کی اور کیا کسی ہندو راجا کی کسی دوسرے ہندو راجا سے لڑائی نہیں ہوئی کیا کورو پانڈو جو ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپس میں نہیں لڑے اور ایک نے دوسرے کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگے۔ کیا پرتھی راج اور جے چند کی آپس میں مخالفت نہیں ہوئی۔ کیا گجرات اور مہاراشٹر کے راجا آپس میں چھری کٹاری نہیں رہے۔ کیا چندر گپت نے چانکیہ برہمن کی مدد سے مگدھ دیش کے نند خاندان اور اپنے سوتیلے بھائیوں کو تباہ نہیں کیا۔ کیا دکن کی ہندو ریاستیں آپس میں جنگ آزما ہو کر ایک دوسرے کو برباد نہیں کرتی رہیں۔ کیا بنگال و بہار کی تاریخ ہندؤں کی آپس کی لڑائیوں اور چڑھائیوں سے بالکل خالی ہے۔ کیا اودھ اور یوپی اور ممالک متوسط اور پنجاب کی تاریخ میں ہندو ایک دوسرے کے مقابل شمشیر بکف نظر نہیں آتے؟ اور کیا ہندوستان میں مسلمانوں کا غلام و فرمانروا خاندان خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں برباد نہیں ہوا۔ اور کیا سیکڑوں اور ہزاروں خونریز لڑائیاں مسلمانوں کی مسلمانوں سے نہیں ہوئیں۔ پھر کیا بیجا نگر کے ہندو راجا نے مسلمان حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں ہی کی فوج بھرتی نہیں کی اور اپنی اس مسلمان فوج کے لئے مسجد تعمیر نہیں کرائی؟ اور کیا محمود غزنوی کی فوج میں تلک۔ نبجے رائے۔ سیوندرائے وغیرہ ہندو سپہ سالار اور ہندوں کی پلٹنیں اور رسالے موجود نہیں تھے؟

ان فریب دینے والوں اور ہندوستانیوں کو معمول و مسحور بنا کر اپنے حسب منشا کام لینے والوں کو لاجواب و شرمندہ کرنے کے لئے یہ صاف اور سیدھی سی بات کیوں کسی کے

چھوٹے منہ سے نہیں نکلتی کہ بادشاہوں. فرمانرواؤں اور دوسروں پر حکومت کرنے والوں میں خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ عیسائی ہوں یا مجوسی۔یہودی ہوں یا بدھ مذہب کے ماننے والے یہ حقیقت سب میں مشترک پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی حکومت قایم کرنے۔ اپنی حکومت کو وسیع کرنے۔ دوسروں کی حکومت کے مٹانے اور دوسروں کے ملکوں کو اپنی حکومت میں شامل کرنے کے لئے جا وبیجا کی پروا نہیں کرتے۔ حکومت کے لئے باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو قتل کرتا رہا ہے۔ ان بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے اُن افعال کو جو وہ اپنی حکومت کے لئے کرتے رہے ہیں مذہب سے کیا تعلق عام طور پر بادشاہوں اور فرمانرواؤں کا سب سے بڑا مذہب اور سب سے زیادہ قوی عقیدہ یہی رہا ہے کہ کسی طرح ہماری حکومت قایم رہے اور وسیع سے وسیع تر ہو جائے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اُنھوں نے مذہبی احکام اور مذہبی تعلیمات کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ الا ماشاء اللہ۔

ہندوستان کے بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے رسمی و اسمی مذہب کو حقیقی مذہب سمجھنا اور اُن کی لڑائیوں اور ایک دوسرے پر چڑھائیوں کو یہ کہنا کہ یہ مذہب کا تقاضا تھا اور مذہب کی وجہ سے ایسا کیا گیا انتہا درجہ کی شرارت اور فریب دہی ہے۔ اور جان بوجھ کر حقیقت کو فریب کے پردوں میں چھپانا ہے۔

ہندو مسلمانوں میں پہلے کبھی مذہبی جنگ نہیں ہوئی

ہندوستان کی سچی اور صحیح تاریخ کا ایک صفحہ بھی اس بات کی شہادت نہیں دے سکتا کہ اس ملک میں ہندو مسلمانوں کی کوئی جنگ محض اختلافِ مذہب کی وجہ سے ہوئی۔ اس بیسویں صدی سے پہلے اُنیسویں صدی کے وسط تک ہندوستان میں کوئی بھی لڑائی (بجز سید احمد صاحبؒ بریلوی کی جنگ علاقہ صوبہ سرحد) ایسی نہیں ہوئی کہ خود لڑنے والوں نے یا اُس علاقے اور اُس زمانہ کے آدمیوں نے اُس لڑائی کو مذہبی لڑائی محسوس کیا ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ پست فطرت اور خوشامدی قصیدہ خوانوں نے اپنے قصیدوں میں فتح پانے والے مسلمان بادشاہوں کو ظل اللہ اور حامئے دین مبین کہا ہو۔ یا فتح پانے والے ہندو راجا کو دھرم سیوک یا دھرم آتما کا خطاب

دیا ہو۔ نہ ہندوستان کے تمام مسلمان پادشاہ خادمِ دین اور احکامِ اسلام کے متبع تھے اور نہ سارے کے سارے ہندو راجہ مہاراجہ اپنے مذہب کے پورے پورے پابند تھے۔ عام طور پر نفس پرستی و خود غرضی و جاہ طلبی میں مبتلا اور اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے سب کچھ کر گزرتے تھے۔ اِن نفس پرور اور خود غرض فرمانرواؤں کو کسی ایک یا دوسرے مذہب کے عقائد و اخلاق کا نمونہ قرار دینا اور اُن کی نفس پرستانہ لڑائیوں کو مذہبی لڑائیاں ظاہر کر کے آجکل کے مسحور۔ فریب خوردہ اور مغرور و جاہ زدہ لوگوں اور ہندوستان کی موجودہ گاؤدی نسل کو جوش دلادلا کر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنادینا شرارت نہیں تو اور کیا ہے۔؟ ہاں یہ سچ ہے کہ بعض مسلمانوں نے شمالی ہند میں بعض مندروں کو ڈھایا اور یہ بھی سچ ہے کہ جنوبی ہند میں بعض ہندوؤں نے بہت سی مسجدوں کو موقع پاکر مسمار کیا لیکن اس کا سبب مذہبی اختلاف ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ سیاسی اغراض اور سلطنت و حکومت کے مقاصد و مصالح تھے جو فرمانرواؤں کے لئے ہر چیز پر مقدم تھے۔ اصلی اور صحیح اسلام ہندوستان کے مسلمان پادشاہوں کی زندگی میں نہیں بلکہ قرآن مجید اور احادیثِ نبوی میں تلاش کرنا چاہئے۔ اِسی طرح اصلی اور صحیح ہندو مذہب ہندوستان کے ہندو راجاؤں اور رئیسوں کے طرزِ عمل میں نہیں بلکہ ہندوؤں کی مستند اور قدیم کتابوں میں دیکھنا چاہئیے۔ اِس مذکورہ اجمال کی تفصیل اور اس حقیقت کا اصلی چہرہ دیکھنا ہو تو مولانا اکبر شاہ خاں صاحب مرحوم و مغفور کی مصنفہ کتاب نظامِ سلطنت کو ملاحظہ کرنا چاہئیے ؎

نمی فہمی زبانِ ترکیِ چشمِ سخن گویم
اشارتہائے ابرو شاید اینجا ترجماں باشد

اورنگ زیب عالمگیر اور ہندو مسلم اتفاق

ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے لئے سب سے بڑی مصیبت آجکل کے جاہ پرست اور خود غرض لیڈر اور قوم کی پیشوائی کے مدعی لوگ ہیں۔ ان نام نہاد لیڈروں اور ان نام نہاد رہبرانِ قوم سے زیادہ موذی اور پاپی کوئی دوسرا طبقہ نہیں ملے گا۔ انہوں نے عوام کی ساری طاقتوں کو برباد اور ہندوستانی قوم کو ذلیل و رسوا کرنے میں سب سے زیادہ حصّہ لیا ہے۔ یہی درحقیقت اپنی اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں دھکیلنے والے اور یہی قومی غدار عوام کو گمراہ کرتے

اور حقیقی دشمنوں کے لئے قوت بہم پہنچانے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ ہندو مسلمانوں کو لڑانے اور ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرار کھنے کے لئے یہی جاہ پرست۔ خود غرض اور ملعون طبقہ ہے جو شیطان کا کھلونا اور طاغوت کا پرستار و پجاری ہے عام مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے سب سے پہلے اسلام کے نام پر اسی کے پیٹ میں درد اٹھتا ہے اور ہندو دھرم کی خدمت و حفاظت کے غم میں یہی سب سے پہلے مگر مچھ کے سے آنسو بہاتا ہے۔ نام کے لئے یہ طبقہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ ہندوؤں کا مائی باپ اور دوسرا مسلمانوں کا دردمند و سرپرست بنا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر حقیقتاً اس پورے طبقہ کا ایک ہی مذہب اور ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی عمل ہے۔ اس کا مذہب خود غرضی۔ اس کا عقیدہ طاغوت کے اشاروں پر کام کرنے کو فرض اولین یقین کرنا اور اس کا عمل ہندو مسلمانوں کو لڑائی پر مستعد رکھنا اور امکاناتِ صلح کو برباد کرنا ہے۔ میں اس سلسلۂ کلام میں طاغوتی اعمال کے صرف ایک عمل بد کی طرف قارئین کرام کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں نے ہندو مسلمانوں میں عداوت اور دشمنی قایم کرنے کی نامعقول کوشش کی ہے انہوں نے سب سے زیادہ عالمگیر اورنگزیب کے حالات میں غلط بیانیوں کو اپنا آلہ کار بنا کر نا اتفاقی پیدا کرنے والی قوتوں کو مضبوط کا کیا اور اس سب سے آخری زبردست مسلمان بادشاہ کے چہرے کو سب سے زیادہ مسخ کر کے دکھایا۔ اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف جوش دلانے کا مؤثر ذریعہ گردانا ہے۔ مولانا شبلی مرحوم نے اس طاغوتی حرکت کے نتائج دیکھ کر ایک سلسلۂ مضامین رسالہ الندوہ میں شائع کیا جو بعد میں کتابی شکل میں چھپکر ملک کے گوشے گوشے میں مضامین عالمگیر کے نام سے پہونچ چکا ہے۔ اس سلسلۂ مضامین میں مولانا مرحوم نے عالمگیر پر ہونے والے اعتراضات کا ضروری اور کافی جواب دیدیا ہے اور عالمگیر کی پوزیشن بالکل صاف کر دی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر عالمگیر واقعی کشتنی و گردن زدنی تھا اور اس شہنشاہ عظیم الشان سے واقعی افعال ناشایستہ سرزد ہوئے تھے تب بھی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہندو مسلمان آپس میں دست و گریبان ہوتے۔ اس لئے کہ وہ ایک بادشاہ کے افعال تھے نہ اسلام کی تعلیم کے نتائج۔ مگر چونکہ جھوٹ اور فریب کو کام میں لایا گیا تھا اور ضرورت سے زیادہ اس جھوٹ کی لے کو بڑھا دیا گیا تھا لہٰذا مولانا شبلی نے فریب کے

پردوں کو چاک کر دیا۔ اس کے بعد جناب مرزا یار جنگ صاحب بہادر چیف جسٹس حیدرآباد دکن نے ایک نہایت قیمتی رسالہ عہدِ اورنگزیب کے متعلق لکھا اور ہندو مسلم اتحاد کے قائم کرنے کی ایک زبردست کوشش کی۔ یہ رسالہ بھی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہونچکر مقبول ہو چکا ہے۔ اب چاہیئے تھا کہ اس معاملہ میں سکون پیدا ہو جاتا اور ہندو مسلمانوں کو لڑانے کے لئے عالمگیر کا نام نہ لیا جاتا۔ لیکن احمقوں کی تعداد میں چونکہ کمی نہیں ہوئی۔ فریب دینے اور جھوٹ بولنے والوں میں بھی شرم وحیا کا مادہ عموماً کم ہوتا ہے۔ اس لئے آجتک بھی ہمارے اسکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کو امتحان کے پرچوں میں عالمگیر والے مشہور سوال کا جواب ضرور لکھنا پڑتا ہے اور نوخیز لڑکوں کی زبانیں عالمگیر پر بیہودہ ریویو کرنے میں بدستور مصروف بلکہ تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ مولانا شبلی اور مرزا یار جنگ بہادر دونوں چونکہ عالمگیر کے ہم مذہب یعنی مسلمان تھے اس لئے ان کے فراہم کردہ دلائل ہندوؤں کے دل کو ممکن ہے نہ چھکتے ہوں اور انہوں نے مذکورہ دونوں رسالوں کی طرف توجہ نہ کی ہو۔ لہٰذا اس رسالہ میں منصف مزاج اور مسلّم و مستند قدیم و جدید ہندو مورخین۔ ہندو علماء ہندو محققین اور ہندو مضمون نگاروں کے فیصلے جو انہوں نے عالمگیر کی نسبت صادر فرمائے ہیں یکجا فراہم کر دوں۔ تاکہ ہندو دوستوں کو خود ہندو محققین کے فیصلے دیکھ کر یہ سوچنے کا زیادہ موقع ملے کہ ہم فریب خوردہ ہیں یا نہیں اور ہم کو اب اپنی رائے میں کوئی تبدیلی کرنی چاہیئے یا نہیں؟ یہ تو ظاہر ہے کہ میں بھی مذکورہ ہر دو بزرگوں کیطرح شہنشاہ عالمگیر کا ہم مذہب یعنی مسلمان ہوں لیکن عالمگیر کے معاملے میں میں اپنی طرف سے کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ نہ مسلمان مورخین کی روایتیں اور مسلمان مورخوں کی تاریخوں کے حوالے پیش کرتا ہوں۔ میں نے از راہِ نیک نیتی ملک کی ایک خدمت کرنی چاہی ہے۔ ہندو مورخوں۔ ہندو محققوں۔ ہندو عالموں کے ارشاد فرمائے ہوئے مضامین کا گلدستہ خاص طور پر ہندو دوستوں اور عام طور پر تمام ہندوستانیوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ ؎ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔ اگر ہندو دوستوں نے اس کی طرف بھی کوئی التفات نہ فرمایا تو وہ خود ہی اپنے جرم کے مصدق بن جائیں گے اور اُن کی قوم پرستی و وطن دوستی کے چہرے سے نقاب خود بخود اٹھ جائے گی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ جس طرح سارے کے سارے مسلمان آزادیٔ ہند کے جذبے سے سرشار نہیں ہیں اور اُن میں ملکی و قومی غدار بھی ضرور ہیں۔

اسی طرح سارے کے سارے ہندو قومیت متحدہٗ ہندوستان کے دشمن نہیں ہیں اور اُن میں سچے دِل سے قوم وملک کی آزادی وفلاح کے خواہاں لوگ بھی موجود ہیں۔ ہر قوم میں ہر قسم کے آدمی موجود ہوا کرتے ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ جو لوگ ہندو مسلم نااتفاقی کو دور کرنے کے خواہشمند ہیں وہ سب ملکر ایک سازگار وخوشگوار کرۂ ہوائی پیدا کرنے میں اپنی پوری طاقتوں کو صرف کردیں اور اِس رسالہ کو زیادہ سے زیادہ ہندو دوستوں کے ملاحظہ میں لائیں اور کسی ہندو کو اِس کے مطالعہ سے محروم نہ رہنے دیں۔ اِس میں ہندو مورخین ہی کے مضامین انھیں کے الفاظ میں نقل کئے گئے ہیں۔ لہٰذا بڑی آسانی سے ہندوؤں کو اس کے پڑھنے پر آمادہ کیا جاسکتا اور ہندوؤں کو اس کی صداقت کا یقین بھی آسکتا ہے ؎

عطا خود آنچہ فرمودی ہمانت تحفہ آوردم　　دگر خوبیش افزاید مگر حسن قبول تو

نیازمند
ابوالفراست محمد ایوب خاں نجیب آبادی

نیاز مند

نیاز مند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی

باب اوّل

اورنگزیب کے ہمعصر ہندو مورخین و واقعہ نگار

اس وقت میرے سامنے جو مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابیں موجود ہیں ان میں عالمگیر کے ہمعصر ہندو واقعہ نگاروں میں صرف تین چار شخص ہی ایسے ہیں جو قابل توجہ اور مستحقِ التفات ہیں۔ مجھکو حضرت مولانا اکبر شاہ خاں صاحب مرحوم و مغفور کے کتب خانہ سے آزادانہ فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل ہے۔ لیکن مجھے اسقدر فرصت اور موقع نہیں مل سکا کہ تمام تاریخی سامان کو جو موجود ہے زیر نظر لا سکتا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس کتب خانہ میں بھی بہت سی تاریخی کتابیں موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اورنگزیب عالمگیر کے معاصر ہندو مورخین صرف اسی قدر ہیں جو سرسری تلاش میں مجھکو مل سکے ہیں۔ بلکہ ان کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوگی اور آئندہ اس باب میں بہت کچھ اضافہ کی گنجائش باقی ہے۔

رائے چندر بھان برہمن

عالمگیر اورنگ زیب کے معاصر مورخین میں سب سے پہلے چندر بھان کا تذکرہ اس لئے ضروری ہے کہ اس کو اس زمانے کے بعض ہندو مصنفین نے عالمگیر کا میر منشی بتایا ہے اور مہاتما ستیہ دھاری صاحب مولف رسالہ علاج تعصب نے چندر بھان کے متعلق ایک حکایت بھی اپنے رسالے میں

نقل فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اورنگزیب نے بنارس میں ایک مندر کو توڑ کر مسجد بنانے کا حکم دیا اُس کے میر منشی چندر بھان کو مذہبی خیال سے یہ بات شاق گزری۔ لیکن حکم شاہی میں مجالِ دخل نہ تھی۔ ناچار اپنے دل کے بخار کو اس شعر کے مضمون میں ظاہر کیا ؎

ببیں کرامتِ بتخانۂ مرا اے شیخ ٭ اگر خراب شود خانۂ خدا گردد

اور اِس شعر کو اُس نے پادشاہ کو سنایا۔ عالمگیر بھی سخن فہم تھا اِس رمز کو سمجھ گیا اور چندر بھان سے کہا سچ بتا تو نے اصل میں "شیخ" کی بجائے کیا کہا تھا۔ اُس نے کہا سچ تو یوں ہے کہ میں نے "شاہ" کہا تھا۔ مگر آپ کے خوف سے اس وقت "شیخ" پڑھ دیا۔ عالمگیر نے فرمایا بیشک تو نے سچ کہا اور تیرے سچ کے انعام میں ہم اپنا حکم منسوخ کرتے ہیں اور آئندہ کے لئے بھی ممانعت کرتے ہیں کہ کوئی بتخانہ توڑ کر مسجد تعمیر نہ ہو۔"

اِس حکایت سے عالمگیر کے اوپر ہونے والا بت شکنی کا اعتراض مٹ جاتا یا بہت ہی ہلکا ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ تاریخ اس کی تائید نہیں کرتی اور خود چندر بھان کی سوانح عمری مجروح ہو جاتی ہے لہٰذا میں اس حکایت کے صحیح ہونے سے انکار کرتا ہوں اور خود چندر بھان ہی کو بطور گواہ پیش کرتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ مذکورہ شعر چندر بھان ہی کا ہے جو اعلیٰ درجہ کا شاعر بھی تھا اس کا قلمی دیوان پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ جیسا کہ لائبریری مذکور کی مطبوعہ فہرست سے ظاہر ہے اور عام طور پر تذکرہ نویسوں نے چندر بھان کو عہدِ شاہجہانی کے شعرا میں شمار کیا ہے۔ لیکن چندر بھان عالمگیر کا میر منشی نہیں بلکہ شاہجہاں کا میر منشی اپنی آخر۔ عمر تک رہا اور اُس نے آگرہ میں وفات پائی۔ چندر بھان قوم سے برہمن تھا اور برہمن ہی تخلص کرتا تھا۔ چندر بھان کی سب سے زیادہ مشہور کتاب چہار چمن ہے جو اُس نے اپنی عمر کے آخر ایام میں مرتب کی تھی جس سال عالمگیر نے دارا شکوہ کو آگرہ کے قریب شکست دیکر سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں . . لی ہے اُسی سال چندر بھان آگرہ میں فوت ہوا۔ اُس نے شاہجہاں کی بیماری اور دارا شکوہ کی شکست غالباً دیکھی تھی۔ عالمگیر کی سلطنت میں وہ میر منشی نہیں رہا۔ لیکن بلخ کی مہم میں شاہجہاں نے اُس کو عالمگیر کے ہمراہ ضرور

بھیجا تھا۔ کہ وہاں عالمگیر کے ساتھ بطور میر منشی خدمات انجام دے اور عالمگیر وہاں سے جو روزانہ حالات لکھوا کر بادشاہ کی خدمت میں بھیجے اُن کو لکھا کرے اور عالمگیر کو سنا کر اس پر عالمگیر کے دستخط کرائے۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ چندر بھان اورنگزیب کے ہمراہ اُس کی شہزادگی کے زمانے میں جبکہ وہ بلخ کے مقام پر اوزبکوں سے مصروفِ جنگ تھا بطور میر منشی اور بطور واقعہ نگار رہا ہے۔ اِس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ چہار چمن کے نام سے ایک اور کتاب بھی مشہور ہے جس کا مصنف دولت رائے ہے۔ چندر بھان کی کتاب چہار چمن اور دولت رائے کی کتاب چہار چمن میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اِس وقت میرے سامنے چہار چمن مصنفہ چندر بھان کا جو نسخہ ہے وہ نہایت قدیم ہے مگر ناقص و ناتمام ہے۔ اُس کے آخر اور درمیان کے کچھ اوراق غیر موجود ہیں۔ اور وہ اسی حالت میں حضرت مولانا مرحوم کے ہاتھ آیا تھا۔

چندر بھان برہمن لاہور کا باشندہ تھا۔ وہ اول مہابت خاں اور مولانا عبدالکریم میر عمارت کے زیر تربیت رہا۔ پھر علامی افضل خاں پھر اسلام خان۔ پھر علامی سعد اللہ خاں وزراء شاہجہانی کا میر منشی رہا۔ پھر دارالانشاء پادشاہی کا افسرِ اعلیٰ اور مہتمم ہوا۔ پادشاہ نے اُس کو رائے کا خطاب دیا اور "ہندوئے فارسی دان" کہکر یاد کیا۔ وہ شاہی فرمانوں کے مسودے بنا کر بادشاہ کو سناتا بعد منظوری اُن پر شاہی مہر لگتی۔ اس کے بعد وہ فرامین متعلقہ اشخاص کو سپرد ہوتے؛

موجودہ اور پیشِ نظر چہار چمن میں اگرچہ عالمگیر کے متعلق کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ لیکن اُس زمانے کے ہندو مسلم تعلقات پر چندر بھان کے الفاظ سے تیز روشنی پڑتی ہے۔ چندر بھان اعلیٰ درجے کا فارسی داں اور قادر الکلام شخص ہے۔ وہ اپنے مذہب کا سختی سے پابند اور نہایت راسخ العقیدہ ہندو ہے۔ اُس نے اپنی کتاب کسی کے دباؤ، خوشامد اور طمع سے نہیں لکھی۔ بلکہ محض اپنے علمی ذوق کو تسکین دینی چاہی ہے اُس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہندوستان میں ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ہندو مسلم نااتفاقی کا طوفان برپا ہوگا۔ چندر بھان نے چہار چمن میں گویا شاہجہاں کے عہدِ حکومت کا آئینہ سامنے رکھدیا ہے اور ہندوستان کا جغرافیہ لکھتے ہوئے یہ تکلف کیا ہے کہ ہر صوبہ کے حاکموں یعنی صوبہ داروں کے ناموں کی فہرست بھی پیش کر دی ہے کہ اس صوبہ پر اب تک کون کون صوبہ دار فرمانروا رہ چکے ہیں۔ اِن فہرستوں سے بخوبی یہ بات بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ مسلمان سلاطین ہندوؤں کو صوبہ داریاں عطا کر نہیں

کس قدر سیر چشم اور بے تعصب تھے:۔
چہار چمن کے صفحہ ۶۶ پر سرخی ہے کہ "چمن سیوم چوں لعطر سائی کلک مشک افشاں وگہر ریزی طبع رواں چمن دوم از جملہ چہار چمن تزئین رنگ و لوئے تازہ یافت باغبان طبع سخن دریں چمن سوم باشجار رنگین اثمار شیریں ترتیب داد کہ منظر نظر صاحب نظران گردد" اس عنوان کے نیچے اس طرح بیان شروع ہوتا ہے کہ:۔

"بیان برخے از حال مصنف ایں نسخہ شکستہ بال و دل درست اعتقاد چندر بھان برہمن کہ شکستگی دل را باعث درستی حال خود میداند برہمن زادہ ملک پنجاب است و در زمرۂ اہل زنار برہمنان امتیازے و اعتبارے داشتند اگرچہ بحسب عرف وعادت بجہت کسب معیشت باشغال مختلفہ روزگار می پردازند لیکن بہترین شیوۂ ایں طائفہ آنست کہ پاس مراتب صوری و معنوی نمودہ توجہے کہ در کتب معتبر قدیم دربارۂ ایں گروہ ثبت گشتہ عمل نمایند و آراستگی ظاہر و باطن را عنوان جریدۂ اعمال خویش سازند مولد و منشائے ایں نیاز مند شہر لاہور است و آباؤ اجداد ایں نیاز مند درست اعتقاد نظر بر قدیمان خود عمل می نمودند تا آنکہ نوبت بہ دھرم داس پدر فقیر رسید۔ آں مخدوم نویسندہ کار داغ بودہ تے در سلک متصدیان ازاں سرکار خالصہ شریفہ انتظام داشت لعد ازاں نظر بر بے ثباتی روزگار بے مدار داشتہ استعفاء خدمت و منصب نمودہ در گوشۂ عافیت بہ نشست رائے بھان داودے بھان دو برادر حقیقی فقیر اند۔"

(ترجمہ:۔ اس کتاب کے شکستہ بال اور درست اعتقاد مصنف کا جو دل کی شکستگی کو اپنی حالت کی درستگی جانتا ہے۔ کچھ حال اس طرح ہے کہ یہ ملک پنجاب کا برہمن زادہ ہے اور ہندوؤں کی قوم میں برہمن لوگ خصوصی اعزاز و امتیاز رکھتے ہیں۔ اگرچہ عام دستور اور رواج کے موافق اپنی روزی کمانے کے لئے مختلف مشاغل اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن بہترین شغل اس گروہ کا یہی ہے کہ اپنے ظاہری و باطنی مرتبے کو مدنظر رکھتے ہوئے وہی اعمال بجا لائیں جو پرانی معتبر کتابوں میں اس گروہ کے لئے بیان کئے گئے ہیں اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کو تمام کاموں پر مقدم رکھیں۔ اس نیاز مند کی جائے پیدائش شہر لاہور ہے اور اس نیاز مند درست اعتقاد (یعنی سچا پکا عقیدہ رکھنے والا

برہمن، کے باپ دادا اپنے بزرگوں ہی کے نقشِ قدم پر گامزن (یعنی گیان دھیان ہی کے مشاغل میں مصروف) رہے۔ یہاں تک کہ نیازمند کے باپ مسمی دھرم داس تک نوبت پہنچی۔ وہ مخدوم (میرے باپ) محکمۂ داغ کے اہلکار اور سرکارِ شاہی کے ملازم تھے۔ انہوں نے آخر عمر میں دُنیائے فانی کی بے ثباتی پر غور کر کے نوکری سے استعفا دیکر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ میرے دو بھائی رائے بھان اور اودے بھان اور ہیں)

(اوپر چند سطریں چندر بھان کی انشا پردازی کا نمونہ دکھانے کے لئے چہار چمن سے حرف بحرف نقل کر کے اُس کا ترجمہ بھی لکھدیا گیا ہے۔ اب آگے طوالت سے بچنے کے لئے صرف اُردو ترجمہ ہی درج کیا جاتا ہے)

"رائے بھان آزاد مزاج واقع ہوا تھا۔ اُس نے کسی کی نوکری نہیں کی۔ اودے بھان اپنی قابلیت واستعداد کے موافق تلاش روزگار میں مصروف ہوا اور عمدۃ الامرا عاقل خاں کی سرکار میں اُس کو نوکری مل گئی۔ عاقل خاں کی وفات کے چند ہی روز بعد اودے بھان بھی فوت ہو گیا اور اس برہمن و فاکیش (چندر بھان) نے علوم ضروریہ حضرت مخدوم قاعدہ دان بر جادۂ فقر و غنا مستقیم ملا عبدالکریم کی خدمت میں رہ کر حاصل کئے اور اُس مخدوم کی شاگردی بڑی ہی مبارک ثابت ہوئی (یہ ملا عبدالکریم یا میر عبدالکریم شاہجہاں کے عہد میں میر عمارت کے عہدے پر مامور تھے) جب کسی شخص پر خدائے تعالیٰ کی مہربانی کی نظر ہوتی ہے تو وہ اُس کو کسی صاحب نظر کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ اور وہ اس صاحب نظر کی نگاہِ کیمیا اثر سے کندن بنجاتا ہے۔ جب اتفاقاتِ حسنہ سے یہ خاکسار علامۂ عصر افضل خاں کی خدمت میں باریاب ہوا تو اُنہوں نے میری بیجا قدر دانی فرمائی۔ اور حد سے زیادہ شفقت و مہربانی کا اظہار فرمایا۔ اور خود اپنے قلمدان میں سے ایک قلم نکالکر مجھے دیا کہ اس قلم سے لکھا کرو۔ پھر رفتہ رفتہ مجھے ضروری ہدایات فرماتے رہے آخر رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ مجھکو ہمہ اوقات اپنے ہمراہ رکھنے لگے اور مجھکو اپنا محرم راز اور بے تکلف دوست بنا لیا اگرچہ خوشنویس اور قاعدہ دان منشی ایرانی و تورانی و ہندوستانی بہت سے موجود تھے۔ اور اُن سب پر یکساں مہربانی کی نظر تھی۔ لیکن جس قدر میری تربیت اور نگہداشت خان مذکور کو مد نظر تھی اتنی کسی کی نہ تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت شہنشاہ عالم پناہ (شاہجہاں) خان ممدوح کی حویلی دیکھنے

کے لئے خود تشریف لائے تو افضل خاں نے مجھ کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے سلام کرایا اور مجھے بادشاہ کا روشناس بنایا۔ پھر یہ کہ مجھکو ایک ہاتھی مرحمت فرمایا۔ میں اُس ہاتھی پر سوار ہو کر ہمیشہ خان ممدوح کے ہاتھی کی برابر باتیں کرتا ہوا چلا کرتا تھا اور طلوع آفتاب سے آدھی رات تک خلوت و جلوت میں خان مذکور کے ہمراہ رہکر فرامین کے مسودات کی تحریر و تسطیر میں مصروف رہتا تھا۔ علامی افضل خاں اکثر میرے اشعار بھی مجھ سے سُنا کرتے تھے۔ منجملہ اُن اشعار کے یہ شعر بھی تھا ؎

نظر بشاہد معنی ز چشم دل دارم ؛ حجاب عینک چشم است مرد بینا را

اور جب کوئی تصوّف کی محفل یا مجلس مباحثۂ علمی منعقد ہوتی تو اُن فصحا و بلغا و فضلا کی مجلس میں یہ ذرّہ بے مقدار بھی ایک گوشے میں ضرور جگہ پاتا اور جو علمی نکتہ جس عالم و فاضل کی زبان سے نکلتا اُس کو فوراً نوٹ کر لیتا اور اُس علامہ عصر و فہامہ روزگار (افضل خاں) کے ذاتی فضائل و کمالات اور صفاتی خوبیاں اور کسبی و وہبی فنون حد سے باہر اور احاطۂ تحریر سے بیرون و افزون ہیں۔ وہ لباس ظاہری میں حقیقت کو دیکھتا اور عالم کثرت میں شاہد وحدت کو ہمیشہ مد نظر رکھتا تھا۔ علامۂ ممدوح (افضل خاں) مرنے سے پہلے اپنی عمر کے آخر ایام میں اکثر یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے ؎

گر اجل مرد است گو پیش من آئی ؛ تا در آغوشش بگیرم تنگ تنگ

من از و جان ستانم جاوداں ؛ او ز من دلقے بگیرد رنگ رنگ

انھیں ایام میں بندگان حضرت خاقانی خلیفۃ الرحمانی (شاہجہاں بادشاہ) وزیر اعظم موصوف (افضل خاں) کے مکان پر بطریق عیادت تشریف لائے اور وزیر اعظم کے حال پر انتہائی مہربانی کا اظہار فرمایا۔ یہاں تک کہ ممدوح کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر باتیں کرتے رہے اور خاں مذکور نیکو سیر اپنی قدیم خدمات اور بادشاہ کی عنایات کو یاد کر کے چشم پُر آب ہوئے۔ بادشاہ نے تسکین بخش کلمات زبان فیض ترجمان سے فرمائے اور خان مذکور اس دُنیائے گزشتنی و گزاشتنی کے ناپائدار تعلقات اور موت کو یاد کر کے آنسو بہاتے رہے۔ آخر ۱۲ رمضان المبارک ۱۲ھ جلوس شاہجہانی کو وزیر مذکور فوت ہو گئے۔ وزیر خاں حاکم پنجاب۔ معتمد خاں میر بخشی۔ مکرمت خاں میر سامان اور دوسرے امرا و شرفا جنازے کے ہمراہ تھے۔ تاریخ وفات اِس مصرع سے برآمد ہوتی ہے۔ "ز خوبی برد گوئے نیک نامی۔ اِس حادثہ کے بعد خاں مرحوم کے حقیقی بھائی امانت خاں نے اپنے منصب عہدے سے

استعفا دیکر گوشہ نشینی اختیار کر لی اور لاہور میں ایک حویلی تعمیر کر کے اُسی میں اب تک مقیم ہیں عاقل خان جن کا اوپر ذکر آچکا ہے امانت خان کے بیٹے اور خان مرحوم کے بھتیجے اور خان مرحوم ہی کے تربیت کردہ تھے جو عین عالمِ جوانی میں کابل جاتے ہوئے فوت ہو گئے تھے۔ دستورِ اعظم علامی افضل خان مرحوم کی یادگار بجز نیک نامی کوئی اولاد باقی نہیں ہے میں کس طرح علامی افضل خان کی خدمت میں باریاب ہوا؟ اِس کا تذکرہ اس طرح ہے کہ جب خان مرحوم عاقل خان فوت ہوئے تو اُن سے تعلق رکھنے والے تمام نوکر چاکر علامی افضل خاں کی خدمت میں پیش ہوئے اور ہر ایک کو اُس کے مرتبے اور قابلیت کے اعتبار سے جگہ ملی میں بھی اپنے بھائی اودے بھان کے ہمراہ عاقل خان کی سرکار سے تعلق رکھتا تھا جب میری حاضری کی نوبت آئی تو علامی افضل خان مرحوم کو میرا خط شکستہ جو خوبی سے خالی نہ تھا بہت پسند آیا۔ اور میں نے اپنی طبع زاد ایک غزل بھی سنائی جو علامی ممدوح کو بہت پسند آئی چنانچہ مجھ کو خان ممدوح (افضل خان) کی سرکار میں جگہ مل گئی اور روز بروز میرا تقرب اور مرتبہ بڑھتا گیا۔ علامی ممدوح کے انتقال کے بعد مجھ کو پادشاہ نے واقعہ نویسوں کے زمرہ میں منسلک کر لیا۔ اور خاص بیاض شاہی کی تحریر یعنی شاہی روزنامچہ نویسی میرے سپرد ہوئی چنانچہ کابل و کشمیر کے سفر میں میں نے ہر منزل کی خصوصیات راستوں۔ دروں۔ دریاؤں اور شکار وغیرہ کے ہر روزہ حالات لکھکر پادشاہ کی خدمت میں پیش کئے تو بادشاہ کو بہت ہی پسند آئے۔ اور مجھکو "ہندوئے فارسی دان" کہہ کر یاد کیا۔ پھر ایامِ جشن میں جبکہ مشہور شعراء کے اشعار حضور پادشاہی میں سنائے گئے تو میری ایک رباعی بھی پادشاہ نے سُنی اور اضافہ تنخواہ و انعام سے سرفراز کیا پھر جب امیر الامراء اسلام خان بنگالہ سے طلب ہو کر لاہور آئے اور دیوان سلطنت (وزیر اعظم) مقرر کئے گئے تو پادشاہ عالی جاہ نے خود معاملات دیوانی کے سرانجام کے لئے موزوں اور مناسب سمجھ کر مجھ کو دفتر دیوانی کا مہتمم بنا کر اسلام خان کے سپرد کیا۔ خان مذکور کی مدار المہامی میں تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ وہ دکن کی صوبہ داری پر روانہ ہوئے۔ اور دستورِ اعظم علامہ عصر دوران سعد اللہ خان تمام مہمات اور بندوبست ملکی کے مہتمم (وزیر اعظم) مقرر ہوئے خلیفہ زماں خدیو جہاں (شاہجہان) نے ازروئے قدردانی و مہربانی اِس ذرہ بے مقدار کو بدستور وزیر اعظم علامی سعد اللہ خان کے ماتحت مامور رکھا۔ چنانچہ نواب سعد اللہ خان ممدوح کے ساتھ لبا اوقات صبح سے شام اور

شام سے صبح تک مصروفِ کارِ سرکار رہنا پڑتا تھا۔ جس وقت نواب سعد اللہ خان اور شہزادہ عالمگیر بلخ کی مہم پر گئے تو پادشاہ کے حکم کے موافق میں بھی اُن کے ہمراہ بلخ گیا تاکہ وہاں سے ہمراہیوں کے حالات اور وزیر و شہزادہ کی عرضداشتیں جو پادشاہ کی خدمت میں بھیجی جائیں لکھوں۔ اس طرح اس عقیدت کیش نے سالہا سال وزیر اعظم کی خدمت میں رہ کر علم و ہنر حاصل کیا جب نواب سعد اللہ خان کا انتقال ہو گیا تو پادشاہ نے مجھ کو رائے کا خطاب دیکر خاص فرامین شاہی کی مسودہ نویسی پر مامور و مفتخر فرمایا۔ یعنی اپنا میر منشی یا پرائیویٹ سیکرٹری بنا لیا۔"

(اوپر چندر بھان کے خود نوشت حالات کا ترجمہ پیش کر دیا گیا ہے۔ چندر بھان نے ۱۶۶۸ء میں انتقال کیا۔ اپنے ایامِ امارت میں رائے چندر بھان نے آگرہ میں ایک وسیع تالاب اور ایک خوشنما باغ تیار کرایا تھا۔ باغ کے اندر ایک نفیس عمارت اپنی کچہری کے لئے تیار کرائی تھی۔ اب دستبردِ زمانے سے آگرہ کی صدہا عمارتوں کی طرح یہ عمارت بھی موجود نہیں رہی۔ اب صرف باغ اور عمارت کا نفیس و خوبصورت سنگ سرخ کا دروازہ موجود ہے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں یہ باغ ایک انگریز کے قبضہ میں تھا۔ اس نے آگرہ کے ایک ساہوکار لالہ سورج بھان ساکن محلہ بیلن گنج کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کر دیا کہ عمارت قدیم میں کوئی دست اندازی نہ کیجائے۔ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ لالہ سورج بھان کے بعد اُن کے بیٹے چندر بھان جو اصل بانی کے ہم نام ہیں اس کے مالک ہوئے۔ یہ باغ آگرہ اور سکندرہ کے درمیان لب سڑک واقع ہے۔ منشی دیبی پرشاد صاحب بدایونی اپنی کتاب ارژنگ چین کے صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں کہ چندر بھان برہمن منشی شاہجہانی اور محمد جعفر مخاطب بہ کفایت خان دیوان تن عالمگیری اور شیخ احمد سرہندی نے خطِ شکستہ جس کو خطِ دیوانی بھی کہتے ہیں اور جو خطِ نستعلیق اور تعلیق کو ملا کر بنایا گیا تھا اور جو مکتوب نگاری میں مروج ہوا حدِ کمال کو پہنچایا۔ میں نے چندر بھان کے متعلق چند باتیں اُس کی مختصر سوانح کو مکمل کرنے کے لئے لکھدی ہیں لیکن قارئین کو صرف چندر بھان کے خود نوشت الفاظ و حالات پر غور کرنا اور سوچنا چاہئے کہ مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ہندوؤں کے لئے کس طرح ترقی کے راستے کھلے ہوئے تھے۔ ہندوؤں کے اوصافِ ذاتی کی قدردانی میں کس طرح حکومت کی طرف سے سیر چشمانہ سلوک ہوتا تھا۔ علامی افضل خان اسلام خان اور نواب سعد اللہ خان تینوں وزیر اعظم سچے پکے مسلمان اور احکام اسلامی کے پابند تھے

اور متشرع آدمی تھے جیسا کہ اُن کے حالات تمام تاریخیں بیان کرتی ہیں۔ پھر چندر بھان کے الفاظ پر غور کرو کہ ایک راسخ العقیدہ پکّے ہندو کے ساتھ جس کو کبھی اپنے مذہب کے خلاف ایک لفظ کہنے یا سننے کی نوبت نہیں آئی اور جو اپنے آپ کو درست اعتقاد برہمن بار بار لکھتا ہے ان تینوں وزیروں اور خود شاہجہاں نے کس قسم کا برتاؤ کیا اور اُس کو کیسے کیسے نازک اور ذمہ داری کے کام سپرد ہوئے اور اُس پر کس قدر بھروسہ کیا گیا۔ خود عالمگیر نے جبکہ وہ بدخشاں میں ترکان اوزبک سے مصروفِ جنگ تھا چندر بھان کے ساتھ نہایت شریفانہ و محسنانہ برتاؤ کیا۔ اُس پر ہر قسم کا اعتماد کیا اور کسی قسم کی شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا۔ پھر لطف یہ کہ چندر بھان قوم سے برہمن اور برہمن ہی تخلص کرتا تھا اور علانیہ و فخریہ اپنا یہ شعر سب کو سناتا تھا کہ ؎

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار ؛ بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

یہانتک کہ اُس نے ایک مرتبہ بادشاہ کے سامنے بھی یہی شعر پڑھا۔ بادشاہ سنکر کچھ مکدر ہوا۔ علامی افضل خان فوراً تاڑ گئے۔ انھوں نے فوراً شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھ دیا کہ ؎

خرِ عیسیٰ اگر بہ مکہ رود ؛ چوں بیاید ہنوز خر باشد

بادشاہ یہ شعر سنتے ہی ہنس پڑے اور وہ ملال خاطر رفع ہو گیا۔ چندر بھان کے مذکورہ بیان کو پڑھو اور خوب خوب غور کرو کہ مسلمانوں نے ہندوؤں پر کس طرح حکومت کی تھی ؟

سُجان رائے بھنڈاری بٹالوی

دُوسرا ہندو مورخ جو عالمگیر کا معاصر ہے سجان رائے ہے۔ وہ بھی چندر بھان کی طرح اعلیٰ درجہ کا فارسی داں اور قادر الکلام شخص ہے۔ وہ بھی اپنے مذہب کا سختی سے پابند اور راسخ العقیدہ ہندو ہے۔ اُس نے بھی اپنی تاریخ کسی کے دباؤ یا لالچ یا خوشامد سے نہیں لکھی بلکہ جو کچھ لکھا ہے نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ لکھا ہے۔ سُجان رائے نے اپنے متعلق بہت ہی مختصر الفاظ استعمال کئے ہیں اور چندر بھان کی طرح اپنے خاندانی و ذاتی حالات نہیں لکھے۔ لیکن وسعت مطالعہ کا حال بخوبی اُس کے بیان سے نمایاں ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی قدرتی طور پر اس حقیقت کا ناقابل رد ثبوت بہم پہونچ گیا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عہدِ حکومت میں ہندوؤں کے علوم و فنون اور سنسکرت زبان کی کتابونکی

کیطرف کس عزم واہتمام اور کس ذوق شوق کے ساتھ توجہ کی اور اُن کی حفاظت ونگہداشت کا عظیم الشان کام کس خوبی سے انجام دیا۔ آج وہ ہندو دوست جو عربی فارسی زبان اور مسلمانوں کی تصانیف کے ساتھ دشمنی یا مخالفت کا برتاؤ ضروری سمجھتے ہیں اگر چاہیں تو اس بات پر غور کریں کہ اُن کے بزرگوں نے فارسی زبان اور اسلامی علوم میں کیسی دستگاہ حاصل کی تھی اور ہندو مسلمان دونوں کس طرح علوم فنون کو اپنا مشترکہ مال سمجھتے اور کامل اتفاق واتحاد کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی کے نتیجے میں اردو زبان پیدا ہوئی تھی جو دونوں کی مشترکہ چیز تھی۔ افسوس کہ آج ہمارے ہندو دوستوں نے اس مشترکہ ملکیت سے اپنی بے تعلقی و دست برداری کو ضروری سمجھ کر اتفاق واتحاد کے سب سے زیادہ ضروری سامان کو برباد کرنا اور چالاک وخود غرض حریفوں کو اُن کی قابلِ نفریں کوششوں میں کامیاب و بامراد بنانا ضروری سمجھا ہے۔ سُجان رائے کی مشہور آفاق تاریخ کا نام خلاصۃ التواریخ ہے۔ وہ اپنی تاریخ کے دیباچہ میں رقمطراز ہے کہ:-

”ازانجاکہ ایں ہیچمدان از یں جہت کہ از عنفوان ظہور صبح شعور بملازمت ناظمان امور مملکت ومال وصاحبان کارگاہ دولت واقبال پیشہ خطوط نویسی کہ عبارت از منشی گری بودہ باشد بسر بردہ بمقتضائے ایں فن وقلاوزی شوق وسزاولی آرزو اکثر نسخہ تواریخ بمطالعہ درآوردہ بہرۂ فراواں اندوختہ چنانچہ کتاب رزم نامہ ترجمہ مہابھارت کہ از تواریخ ہند بزرگ تر ومعتبر تر مشتمل بر احوال پاندوان وکوروان واسلاف آنہاست وحسب الحکم حضرت جلال الدین محمد اکبر شاہ مولانائے عبدالقادر بدایونی وشیخ محمد سلطان تھانیسری باہتمام نقیب خان کہ سرآمد تاریخ دانان بود از سنسکرت بفارسی مترجم نمودہ وعلامی فہامی شیخ ابوالفضل خطبۂ آن رابطرز مرغوب بقلم آوردہ وترجمہ ہرینس پران کہ ماجرائے احوال سری کرشن ونسب نامہ اسلاف راجہاوعابدان ماضیہ ازان ظاہر است وآنرا حسب الحکم محمد اکبر بادشاہ مولانائے تبریزی بہ تحریر درآوردہ وترجمہ رامائن کہ متضمن بر احوال سری رام چند از کتب مشہور است وجماعتِ مذکور از سنسکرت بفارسی درآوردہ وترجمۂ بھاگوت جوگ بششت کہ بسا داستان عجائب وسخنان غرائب از حقایق معارف درورست وبموجب امر پادشاہزادہ داراشکوہ آنرا شیخ احمد ودیگر فضلا بفارسی درآوردہ اند ونسخہ گل افشاں

ترجمہ سنگاسن بتیسی متضمن احوال راجہ بکرماجیت کہ مخترع آں برج پنڈت وزیر راجہ بھوج است و نسخہ پدماوت مشتمل بر حقیقت راے رتن سین مرزبان چتور کہ با سلطان علاؤالدین والی دہلی محاربہ نمود و نسخہ راجہ ولی کہ مصر بدیا دھر اسامی راجہا بخط ہندوی نوشتہ و آں را آسا ہو رام خلاصۂ مرید ان گسائیں دلیرام بعبارت مرغوب بفارسی در آوردہ و نسخہ راجترنگنی کہ پنڈت رگھناتھ احوال راجہاے والا شان و رایان رفیع المکان بالتفصیل بہ سنسکرت نگاشتہ و آں را مولانا عماد الدین بفارسی ترجمہ نمودہ و تاریخ سلطان محمود غزنوی کہ در ممالک ہند آغاز ظہور اسلام از سلطان ناصر الدین سبکتگین پدر بزرگوار او ست و آنرا مولانا ے عنصری بقید کتابت در آوردہ و تاریخ سلطان شہاب الدین غوری کہ حکومت راجہا و رایان از ابتداے خلافت او از ہندوستان منقطع گشتہ و تاریخ سلطان علاؤالدین خلجی کہ از سلاطین ہند مشہور ست و تاریخ فیروز شاہی تصنیف مولانا ے ضیاؤ الدین و تاریخ افاغنہ محتوی بر احوال سلطان بہلول لودی و نسل او و حقیقت شیر شاہ افغان سور و اولادش کہ آں را حسین خان افغان تصنیف نمودہ و سلسلہ جمیع افغانان بہ بنی اسرائیل برادران مہتر یوسف کنعانی رسانیدہ و کتاب ظفر نامہ متضمن فتوحات صاحبقران امیر تیمور گورگان از تصانیف زبدۂ فضلا مولانا ے شرف الدین علی یزدی و کتاب تیمور نامہ کہ مولانا ے ہاتفی برادر زادہ مولانا ے عبد الرحمٰن جامی در سلک نظم کشیدہ و تاریخ بابری کہ حضرت بابر بادشاہ احوال خجستہ مآل خود را خود بزبان ترکی بہ تسطیر در آوردہ اند و میرزا خانخاناں عبد الرحیم آں بفارسی مترجم نمودہ"

غرض اسی طرح ہندوستان کی بہت سی تاریخوں کے نام لکھ کر لکھا ہے کہ یہ سب کتابیں میرے مطالعہ میں آچکی ہیں۔ اِن سب تاریخوں سے انتخاب کرکے میں نے عہدِ ماضی کے تمام فرمانرواؤں کے حالات اِس کتاب میں جمع کر دیئے ہیں اور اس کا نام خلاصۃ التواریخ رکھا ہے۔ میں نے دوسری کتابوں سے اُن کے الفاظ نقل نہیں کئے۔ بلکہ اُن کے مطالب کا خلاصہ اپنی زبان اور اپنی عبارت میں بیان کیا ہے اور سنہ ۴۰ جلوس عالمگیری مطابق ۱۷۵۳ بکرماجیت میں یہ نسخہ ختم ہوا۔" اِسی دیباچہ میں سُجان رائے نے عقائد اور مذہبی خیالات بھی قلمبند فرمائے ہیں۔ جو اس طرح ہیں

کہ:-

"آفریننده موجودات و پیدا کنندۂ مخلوقات بارادت ازلی و قدرت لم یزلی بہ نمطے کہ گوناگوں عالم ز لگار نگ عالمیان را بعرصۂ ہستی چہرہ افروز ساختہ ہماں نمط مذاہب متنوعہ و مشارب مختلفہ در جہانیاں بظہور در آوردہ و بنا بر استحکام ادیان در ہر دیار و ہر فریق یکے از خاصان جناب صمدیت را بخلعت بشری مخلع گردانیدہ و آنقدر قدرت عطا فرمودہ کہ عارف دقایق عقول و نفوس کاشف حقایق معقول و محسوس بودہ بعالمیان آگہی دادہ و مظہر معجزات عجیبہ و کرامات غریبہ گشتہ پردہ کشائے اسرار غیب و چہرہ آرائے سرائر لاریب گردیدہ و بالہام ربانی کتاب آسمانی بدست داشتہ خلایق را ہادی و ادی ایزد پرستی رہ نمودن راہ خدا شناسی گشت۔"

موجودات و مخلوقات کے پیدا کرنے والے نے اپنے ارادۂ ازلی اور قدرتِ لم یزلی سے جس طرح کہ انواع و اقسام کے عالم اور قسم قسم کی مخلوقات کو پیدا کر کے صفحۂ ہستی پر جلوہ افروز فرمایا اسی طرح اُس نے انواع و اقسام کے مذاہب اور مختلف مسالک انسانوں میں موجود کر دیئے اور مذاہب کے استحکام کی خاطر ہر ملک اور ہر قوم میں اپنے مقربانِ بارگاہ میں سے ایک ایک کو خلعتِ بشری عطا کر کے اسقدر قدرت عطا فرمائی کہ وہ عقول و نفوس کی باریکیوں کا جاننے والا اور معقول و محسوس کی حقیقتوں کا کھولنے والا ہو کر لوگوں کو واقف و آگاہ بنائے اور معجزات و کرامات ظاہر کر کے اسرارِ غیب کے پردوں کو اٹھا دینے والا ہو کر الہامِ ربانی اور کتابِ آسمانی کے ذریعے مخلوقِ الٰہی کا ہادی اور خدا پرستی و خدا شناسی کے لئے رہبر بنے۔

خلاصۃ التواریخ اگرچہ ۴۰ ؁ جلوس عالمگیری میں تکمیل کو پہنچی ہے۔ لیکن خلاصۃ التواریخ کا وہ نسخہ جو مولانا ظفر حسن صاحب مراد آبادی نے شائع فرمایا ہے دارا شکوہ کی آوارگی اور لاہور سے فرار ہونے کے حال اور عالمگیر کے مقابلہ میں شجاع کے شکست یاب ہونے تک پہنچکر ختم ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ سجان رائے نے یہیں تک حالات لکھے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ سجان رائے نے ۴۰ ؁ جلوس عالمگیری تک کے حالات اپنی تاریخ میں لکھے ہوں اور آخر کے اوراق ضائع ہو گئے ہوں اور ناشر ممدوح کے ہاتھ جو نسخہ آیا ہے وہ نامکمل ہو۔ بہر حال عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی زمانے کے جو حالات سجان رائے نے لکھے ہیں وہ بھی بہت اہم ہیں اور عالمگیر کے

متعلق بعض پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو بخوبی رفع کرنے والے ہیں۔ سجان رائے عالمگیر کو سراسر بے گناہ اور قابلِ تعریف و مستحق ستائش بادشاہ قرار دیتا ہے سجان رائے کے بیان کردہ حالات آئندہ کسی باب میں تمام و کمال نقل کئے جائیں گے۔

رائے بندر آبن بہادر شاہی

دار اشکوہ کو زمانہ جانتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا صوفی مشرب اور ہندو پرست تھا۔ اُس کو ہندوؤں کے مذہب۔ ہندوؤں کی مذہبی زبان سنسکرت اور ہندوؤں کے علوم سے عشق تھا۔ اُس کے ملازمین، مصاحبین اور اُس کی سرکار کے اہلکار عموماً چھوٹے سے بڑے تک سب ہندو ہی ہوتے تھے۔ دار اشکوہ کی مصنفہ کتاب مجمع البحرین کا قدیم قلمی نسخہ اس وقت میرے پیشِ نظر ہے اور وہ اس بات کی کافی دلیل ہے کہ دار اشکوہ کا مطالعہ ہندو مذہب کے متعلق اس قدر زیادہ وسیع تھا کہ آج ہندوستان میں ایک بھی پنڈت ایسا نہیں مل سکتا جس نے ہندو مذہب اور ہندو علوم کا اس قدر وسیع و عمیق مطالعہ کیا ہو۔ دار اشکوہ کی سرکار ہندوستان میں اتنی بڑی سرکار تھی کہ سرکار شاہی کے بعد کسی دوسرے شہزادے یا وزیر کی سرکار اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ دار اشکوہ کی سرکار کا دیوان و وزیر اعظم ایک ہندو تھا جس کا نام بھارا مل تھا۔ بھارا مل علاوہ انتظامی و دفتری قابلیت کے فارسی، سنسکرت و ہندی میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔ اور اعلیٰ درجے کا مذہبی اور راسخ العقیدہ ہندو تھا۔ اُس کا بیٹا بندر آبن تھا۔ بندر ابن نے اپنے باپ بھارا مل اور دار اشکوہ کے زیرِ نگرانی و زیرِ اثر تربیت پائی تھی۔ بندر ابن کو دار اشکوہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ دار اشکوہ کی بربادی کے بعد عہدِ عالمگیری میں اِن باپ بیٹوں کو کوئی اذیت نہیں پہونچی اور بندر ابن مختلف امرا کی منشی گری اور دیوانی میں کام کرنے کے بعد شہزادہ معظم (بہادر شاہ) کی سرکار میں ملازم ہو گیا اور عالمگیر کی وفات کے بعد جب شہزادہ معظم دوسرے بھائیوں پر غالب آکر بہادر شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا تو بندر ابن سرکار شاہی میں دیوانی کے عہدے پر فائز ہوا اور اُس نے بہادر شاہ کے ہمراہ بعض معرکوں میں جو دکن میں پیش آئے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ شہزادہ معظم کو عالمگیر نے کچھ دنوں کے لئے نظر بند و مقید بھی کر دیا تھا اور اسی لئے عام طور پر مشہور ہے کہ معظم باپ سے

خوش نہ تھا اور عقائد مذہبی میں بھی بہادر شاہ کو اورنگزیب سے اختلاف تھا۔ اورنگزیب پکا سنی اور بہادر شاہ شیعیت کی جانب حد سے زیادہ مائل بلکہ پکا شیعہ تھا۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ وقائع نعمت خاں عالی اور منتخب اللباب بہادر شاہ کے عہد حکومت میں شائع ہوئیں۔ ان دونوں کتابوں کے مصنف غالی شیعہ تھے اور انہوں نے اورنگزیب کو مذہبی تعصب اور اختلاف عقائد کی وجہ سے مطعون و بدنام کرنے میں مطلق کوتاہی نہیں کی۔ بہادر شاہ نے ان دونوں کتابوں اور نعمت خان عالی کی ان ہجووں کو جو اس نے انتہائی کورنمکی اور محسن کشی کو کام میں لا کر اورنگزیب کی نسبت لکھیں تھیں دیکھا اور پڑھا لیکن ان کی اشاعت کو ہرگز نہیں روکا اور باپ پر جو جھوٹے بہتان تھوپے گئے تھے ان کے ازالہ کی کوشش نہیں کی۔ بہرحال بہادر شاہ کو اپنے باپ عالمگیر سے کوئی ہمدردی نہ تھی جس کا سب سے بڑا سبب عالمگیر کی چستی و قابلیت ملکداری تھی۔ کیونکہ وہ خود کاروبار سلطنت میں چست اور مستعد تھا اور بیٹوں کو بھی اسی طرح چست اور مستعد رکھنا چاہتا تھا اور ان کو عیش پرستی کا موقع نہیں دیتا تھا۔ نالائق طالب علم جس طرح محنتی اور قابل استاد سے عموماً ناراض رہا کرتے ہیں اسی طرح بہادر شاہ بھی باپ سے ناراض تھا۔ ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر بآسانی بندرابن کی نسبت اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ عالمگیر کے ساتھ عام حالات میں کس قدر ہمدردی یا مخالفت کا برتاؤ کر سکتا ہے۔ بندرابن نے ایک تاریخ لکھی ہے۔ اس تاریخ کا نام لُب التواریخ ہے۔ بعض مورخین نے لب التواریخ اور بندرابن کے متعلق ایک عجیب تمسخر انگیز غلطی کی ہے چونکہ لُب اور خلاصہ کے ایک ہی معنی ہیں اور کسی انگریزی ترجمہ میں انہوں نے لُب التواریخ کے نام کا ترجمہ پڑھا ہے یا اور کسی وجہ سے لب التواریخ کو خلاصۃ التواریخ سمجھ لیا ہے چنانچہ بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ بندرابن کی تاریخ کا نام خلاصۃ التواریخ ہے۔ بعض نے خلاصۃ التواریخ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بندرابن کی مصنفہ ہے۔ حالانکہ خلاصۃ التواریخ سجان رائے بٹالوی کی مصنفہ ہے۔ بعض نے بندرابن اور سجان رائے کو ایک ہی شخص قرار دیا ہے۔ کسی نے سجان رائے کی نسبت لکھدیا ہے کہ وہ بہادر شاہ کا دیوان تھا اور کسی نے بندرابن کو بٹالوی لکھا ہے۔ غرض یہ حماقت اکثر تو تالیف کتابوں میں بکھری ہوئی ہے۔ اب رائے بندرابن کے الفاظ جو اس نے عالمگیر اورنگزیب کی نسبت لب التواریخ میں لکھے ہیں ملاحظہ فرمایئے:۔

بعدل و دیانت پادشاہی نمودند
در عہد خود اکثر رسوم را برطرف ساختند
ازاں جملہ ڈاک چوکی ہا آں بود کہ ہرگاہ
بخدمت متعین میشدند ہر کرا در راہ اسپ
می یافتند می گرفتند ہرگاہ ماندہ می شد میگزاشتند
حکم شد کہ دو راس اسپ از سرکار
متعین شود. ہم چنیں فیلبانان فیل
راست کردہ بر دکان ہا و خانہا میبردا
نیدند ہر کہ تواضع ایشان می نمود از
حوادث محفوظ می ماند حکم شد کہ از
فیلبانان مچلکہ بگیرند کہ اگر فیل
خانہ کسے خراب کند یا تخویف نماید
از عہدہ آں برآید و میر شکاران بہ
تقریب گریز جانوران در قصبات بخانہ
مردم فرود می آمدند و تعدی می نمایند
ایں معنی را مخالفت فرمودند و مردم
اوباشان در شب قدر جمع شدہ
خرمن مال و جان خلقے باتش بازی میدا
دند و در روزہائے عاشورہ نیز
تابوتے ساختہ بہ شمشیر بازی مردم
را آزار میرسانیدند و در ایام
ہولی جماعہ ہنودان جنون سرشار
بہم رسانیدہ ہنگامہ ہا می کردند

(عالمگیر اورنگزیب) نے انصاف اور مستعدی کے
ساتھ پادشاہت کی اور اپنے عہدِ حکومت میں اکثر
مراسم کو موقوف کیا منجملہ اُن کے ڈاک چوکی کی بدعت
یہ تھی کہ جب سرکاری ہرکارے کسی کام پر جاتے
تو جس کسی کا گھوڑا راستے میں پاتے پکڑ لیتے اور
جب وہ گھوڑا تھک جاتا اُسے چھوڑ دیتے پادشاہ
نے حکم دیا کہ دو سرکاری گھوڑے ہر منزل پر موجود
رہیں اور ضرورت کے وقت اُن سے کام لیا جائے
اسی طرح فیلبان لوگ یہ کرتے تھے کہ ہاتھی کو مست
کر کے دکانوں اور مکانوں کی طرف لے جاتے
جو کوئی فیلبانوں کی تواضع اور خاطر مدارات کرتا
وہ حوادث سے محفوظ رہتا عالمگیر نے حکم دیا کہ
فیلبانوں سے مچلکہ لیا جائے کہ اگر ہاتھی سے
کسی شخص کے مکان کو نقصان پہنچا یا فیلبان نے
کسی کو ڈرایا تو وہ ذمہ دار اور جواب دہ ہوگا میر شکار
عموماً جانوروں کے بھاگنے کی حالت میں اُن کے
پیچھے دُور دُور تک نکل جاتے اور گاؤں میں لوگوں
کے گھروں میں ٹھہر جاتے اور اُن پر زیادتی کرتے
اس رواج کو بھی ناپسند کر کے موقوف کیا آوارہ
مزاج لوگ شب برات کے دن جمع ہو کر آتشبازی
سے لوگوں کو تنگ کرتے اور نقصان پہنچاتے
اور عشرۂ محرم میں تعزیوں کے ساتھ شمشیر بازی کے
اکھاڑوں سے لوگوں کو تکلیف دیتے ہولی کے

کچہری تا یک ماہ بند می ماند و خانہ جنگی ہا واقع می شد ایں ہمہ ابواب ہا را موقوف ساختند و اکثر مردم خانماں باختہ گرد شراب طواف بودند و شراب در کوچہ ہا علانیہ حکم سبیل آب داشت بتمامی ایں رسوم معدوم کردند۔“

دنوں میں ہندو لوگ نشہ کی حالت میں دیوانے ہو کر ہنگامہ برپا کرتے اور ایک مہینہ تک کچہری بند رہتی اور لڑائیاں واقع ہوتیں۔ ان سب باتوں کو حکماً بند کر دیا اور اکثر اوباش لوگ شراب اور رنڈیوں کے پیچھے پھرتے اور شراب عام طور پر گلی کوچوں میں فروخت ہوتی ان تمام باتوں کو عالمگیر نے مٹا دیا۔

مذکورہ بالا نامناسب باتوں کو جو شاہجہاں کے عہدِ حکومت میں کم و بیش موجود تھیں عالمگیر نے مٹا دیا۔ رائے بندرا بن گواہی دے رہے ہیں اور سنی سنائی باتیں نہیں کہتے۔ بلکہ چشم دید گواہ ہیں؂

منشی مادھو رام

منشی مادھو رام سب سے پہلے نواب لطف اللہ خان پسر سعد اللہ خان مرحوم وزیر اعظم شاہجہانی کی سرکار میں میر منشی تھا پھر اس کے بعد نواب کوکلتاش خان کا میر منشی رہا پھر شاہزادہ جہاں دار شاہ کی سرکار میں اس کی تخت نشینی کے زمانے تک میر منشی کے عہدے پر مامور رہا۔ مادھو رام بھی چندر بھان وسجان رائے و بندرا بن کی طرح اعلیٰ قابلیت کا مالک اور خوشگو شاعر تھا بلکہ مادھو رام عربی زبان میں متقدم الذکر سہ مورخین کے مقابلہ میں فایق و برتر تھا۔ اس زمانے کے میر منشی جن کو نہایت اہم مراسلے اور فرامین لکھنے پڑتے تھے لازماً اپنے پاس ایک پرائیویٹ رجسٹر یا نوٹ بک رکھتے تھے جس پر اوّل مضمون کا مسودہ تیار کرتے اور ترمیم و تنسیخ کے بعد جب مضمون مکمل ہو جاتا تو اس کو اصل کاغذ پر خوشخط اور باقاعدہ نقل کرتے۔ یہ مسودات کی پرائیویٹ کتاب ان کے پاس رہتی تھی اور دفتر کی سرکاری کتاب نہیں سمجھی جاتی تھی۔ انہی مسودات کی کتابوں میں سے بعض میر منشیوں نے مستقل کتابیں منشیات کی ترتیب دیکر شائع کیں۔ رقعات ابوالفضل اور انشائے طاہر وحید اسی قسم کی کتابیں ہیں۔ منشی مادھو رام نے بھی اپنے ایک عزیز لالہ ہرپرشاد صاحب کی

فرمائش سے ایک کتاب منشئیات مادہورام جو انشائے مادہورام کے نام سے مشہور اور اب سے چند روز پہلے تک درسی کتابوں میں شامل تھی ترتیب دی۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کے وقت اُن کی بہت سی یادداشتیں ضائع بھی ہو چکی تھیں۔ بالخصوص جہاندار شاہ کے زمانے کی تمام یادداشتیں پادشاہ گردی یعنی انقلاب سلطنت کے ہنگامے میں برباد ہو گئیں۔ اسی لئے جہاندار شاہی فرامین کے مسودات انشائے مادھورام میں شامل نہیں ہو سکے۔ انشائے مادھورام میں دو فصلیں قایم کی گئی ہیں۔ پہلی فصل میں وہ تمام تحریریں جو نواب لطف اللّٰہ خان، اور نواب کوکلتاش خان کی طرف سے لکھی گئیں مندرج ہیں۔ دوسری فصل میں وہ تحریریں جو منشی مادہورام نے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے نام لکھیں موجود ہیں۔ یہ کتاب محمد شاہ پادشاہ کے عہدِ حکومت میں مرتب ومدون ہوئی۔ لیکن اس میں بہت سی باتیں ایسی موجود ہیں جو عہدِ عالمگیری پر روشنی ڈالتی ہیں اور نواب لطف اللّٰہ خان و نواب کوکلتاش خان کے لکھائے ہوئے خطوط اورنگزیب کے نظامِ حکومت اور ہندو اہلکاروں اور صوبہ داروں کے شریک حکومت ہونے اور اُن کے متعلق شاہی اعتماد کی نسبت ناقابلِ رد ثبوت اور نہایت زبردست شہادت بہم پہونچاتے ہیں۔

نواب لطف اللّٰہ خان اورنگزیب کی طرف سے بیجاپور کے صوبہ دار تھے۔ اُن کے ماتحت مان سنگھ راٹھور راجگڑھ کا قلعہ دار تھا۔ مان سنگھ کے نام نواب لطف اللّٰہ خان کی طرف سے منشی مادھورام نے ذیل کا خط لکھا:-

"تہور پناہ۔ جلادت دستگاہ مان سنگھ راٹھور محفوظ باد پیش ازیں حسب الحکم والا در مادۂ بہم رسانیدن وزدان کہ مصدر رہزنی بودہ ودر شاہراہ ڈالی میوہ از کہاران ربودہ اند صادر شدہ وہنوز تدارک بعمل نیامدہ حکم محکم نافذ میشود کہ پنبۂ غفلت از گوش ہوش برآوردہ مرتکبان را بہ تفحص وتجسس پیدا ساختہ بیاسا رسانند وبنابہ عبرت دیگراں لاشہائے آناں بر درختان شاہراہ آویختہ معروض دارد والا بہ تغیر منصب وخدمت معاتب خواہد شد۔"

مذکورہ تحریر سے اوّل تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ دکن کے نو مفتوحہ علاقہ بیجاپور کے ایک نہایت اہم قلعہ کی قلعہ داری عالمگیر نے ایک راجپوت مان سنگھ راٹھور کو سپرد کی تھی۔ اگر عالمگیر ہندوؤں سے ایسا ہی

بدگمان تھا جیسا کہ آجکل کہا جاتا ہے تو کم از کم راہگڑھ کے قلعہ کی قلعہ داری مان سنگھ کو ہرگز سپرد نہ کرتا جہاں ہمہ اوقات اُس کے مرہٹوں اور دکن کی غالب ہندو جنگجو آبادی سے ملجانے اور سازش کرنے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ دوسرے عالمگیر کے چوکس اور ہر حصّہ ملک کے چھوٹے بڑے حالات سے واقف آگاہ رہنے کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ چوروں یا ڈاکوؤں نے کہاروں کو جو ڈالی لے جارہے تھے لوٹ لیا تھا اور اُن چوروں یا ڈاکوؤں کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی تھی تو قبل اس کے کہ بیجاپور کے صوبہ دار نواب لطف اللہ خان کو علم ہو اور وہ کچھ تدارک کریں عالمگیر کا فرمان اُن کے نام پہونچ گیا کہ مان سنگھ کو جس کے علاقے میں رہزنی ہوئی ہے توجہ دلاؤ کہ وہ راستے کے امن کو قایم کرے اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دے۔ عالمگیر مان سنگھ قلعہ دار کو خود بھی براہ راست اطلاع دے سکتا اور تنبیہ کر سکتا تھا۔ لیکن اُس نے قلعہ دار کی بجائے صوبہ دار ہی کو مخاطب کیا۔ اِس لئے کہ صوبہ دار اعلیٰ افسر اور تمام صوبہ کا مہتمم تھا نیز یہ کہ خود صوبہ دار کو بھی تنبیہ ہو گئی کہ وہ جس چیز سے بے خبر رہا بادشاہ اُس سے باخبر ہو گیا

عالمگیر نے جب بذاتِ خود ملک دکن میں پہنچکر وہاں کے سرکشوں کو رام کرنے اور اُس ملک کے قلعوں کو فتح کرنے کا سلسلہ جاری کیا تو اُس کے لشکر میں بہت سے راجپوت اور راجہ مہاراجہ موجود تھے۔ دکن کی لڑائیوں کا سلسلہ کسی قدر طویل ہوا تو بعض راجاؤں نے رخصتیں طلب کیں منجملہ اُن کے ایک راجہ کشن سنگھ تھے۔ راجہ کشن سنگھ کی درخواستِ رخصت کا جواب بادشاہ نے خود نہیں دیا بلکہ منشائے شاہی کے موافق نواب کو کلتاش خان نے مادہو رام سے خط لکھوایا۔ یہ خط انشائے مادھو رام میں موجود ہے۔ اس کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ تم کو اپنا وطن یاد آرہا ہے اور وہاں کے انتظام کے لئے رخصت طلب کرتے ہو۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ وطن کا امن واطمینان اس کام پر منحصر ہے جس کو تم یہاں انجام دے رہے ہو۔ اس ضروری کام اور اپنے فرائض مفوضہ میں پوری مستعدی کے ساتھ مصروف رہو۔ اِس جواب کو سن کر راجہ کشن سنگھ بددل اور ناراض نہیں ہوا بلکہ پہلے سے زیادہ جانفشانی کے ساتھ مصروفِ کار رہا چند روز کے بعد مرحمت خان کی سفارش سے بادشاہ نے راجہ کشن سنگھ کو رخصت مرحمت فرمادی۔ مدتِ رخصت جب ختم ہوئی تو نواب کو کلتاش خان کی طرف سے کشن سنگھ کو ان الفاظ میں مادہو رام نے خط لکھا:۔

"قدر ومنزلت آں عمدۂ راجہائے وفاکیش زبدۂ فدویان خیر اندیش شہامت وحرامت

مرتبت تہور وجلالت منزلت سیما من تفضلات الٰہی والطاف بے اکناف بادشاہی
روز افزوں باد چوں حضور رخصت آں عمدۂ راجہائے بلند مکان لسماحت ولجاجت قدوۂ
نوئیناں والاشان مرحمت خان بنا برانتظام محال وطن از پیشگاہ فضل واحسان میسرآمدہ بود
میعاد منقضی شدہ حکم رفیع القدر صادر شد کہ چوں در لیساق باخیل کفرہ وشاق ہمہ وقت محاربات
مقاتلات اتفاق می افتد مرضی حضرت خدیو آفاق مطمح نظر داشتہ ولسرعت وعزیمت بمکان
تعیناتی بر جمیع امور مقدم انگاشتہ بمجرد ورود حسب الامر خود را باجمعیت شائستہ
زود وشتاب میرساند والا العتاب بادشاہی کہ نمونۂ غضب الٰہی است گرفتار خواہد شد باید
کہ بر وفق امر عالی لعمل آرند۔"

راجہ رام ناتھ کو پادشاہ نے کسی شہزادے کے ہمراہ دکن سے شمالی ہند کی طرف جانے کا حکم دیا
رام ناتھ کے کارہائے نمایاں سے پادشاہ بہت خوش تھا۔ راجہ رام ناتھ پادشاہ کا بے حد مزاج داں
اور پادشاہ کے اشاروں پر کام کرنے والا شخص تھا۔ رام ناتھ کی یہ جدائی پادشاہ اورنگزیب کو بہت
محسوس ہوئی۔ قلعۂ برنالا کے محاصرہ کے وقت پادشاہ نے فرمایا کہ رام ناتھ اس وقت موجود ہوتا تو خوب
ہوتا۔ چنانچہ نواب کوکلتاش کی طرف سے مادھو رام نے راجہ رام ناتھ کو خط لکھا کہ:-

"الطاف سبحانی واعطافِ حضرت خاقانی قرین روزگار خجستہ آثار آں مقتدائے مبارزاں
خدیو گیہاں پیشوائے پیش قدماں خاقان جہاں عمدۂ راجہائے بلند مکان زبدۂ نوئیناں
والاشان باد خبر روانہ شدن آں عمدۂ راجہا بر طبق حکم قضا امضا رکاب درخشندۂ کوکب
سپہر سلطنت علیا معروض واقفان انجمن فیض ماو اگردیدہ موجب انشراح خاطر عاطر دمشر
فرمادان تحسین آفرین گشت بر زبان عالی گزشت کہ آں نوائین والا تمکین بمزاجدانی
حضرت قدر قدرت ممتاز اند دریں وقت کہ در لیساق قلعہ برنالا کار پادشاہی در پیش است
ہر چند کہ خود را بہ تعلقہ تعیناتی زود وشتاب رسانند مجرائی عظیم خواہد شد و برائے
پیش آمد وافزائش مراتب ومناصب واستحکام مہام وطن بسیار مفید است۔ باید
کہ حسب الارشاد لعمل آرند۔"

انشائے مادھو رام میں بہادر شاہ کی وفات کے بعد شہزادوں کی زور آزمائی اور جہاندار شاہ کی

تخت نشینی کے حالات مادھو رام نے خوب لکھے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ عالمگیر کے بعد کا زمانہ ہے۔ اس لئے اُس طرف توجہ نہیں کی گئی خود مادھو رام نے اپنے ہم چشم مسلمان دوستوں کو جو خطوط لکھے ہیں اُن سے اُس زمانے کے خوشگوار و دلربا ہندو مسلم اتحاد کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے بخوفِ طوالت جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسی کو کافی سمجھا گیا ؛

باب دوم

اورنگزیب کا برتاؤ اپنے باپ اور بھائیوں سے

اورنگزیب پر جو الزامات عاید کئے گئے ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے اپنے باپ کو قید یا نظر بند اور اپنے بھائیوں کو قید و قتل و جلاوطن کیا۔ اس الزام کو ہندوؤں کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں اگر مذکورہ افعال کو ہندو بُرا جانتے ہیں تو مسلمان اُن سے بھی زیادہ بُرا سمجھتے ہیں پھر یہ کہ اورنگزیب نے اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ اگر بُرا سلوک کیا تو اُس کی شکایت اورنگزیب کے خاندان والے یا اورنگزیب کے باپ اور بھائیوں کے ہم مذہب مسلمان کر سکتے ہیں۔ ہندوؤں کا تو حق نہیں ہے کہ وہ اُس کو سب سے پہلے زبان پر لائیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر دوسرے الزامات و عیوب جو اورنگزیب کے سر تھوپے گئے ہیں صحیح ثابت ہو جائیں تو اس الزام سے اُن الزامات و عیوب کا وزن ضرور بڑھ جاتا ہے اور ہمہ عیب ثابت ہو کر وہ ضرور کشتنی و گردن زدنی ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے اسی کی طرف توجہ کرنی مناسب ہے ؛

آجکل کون نہیں جانتا کہ شخصی سلطنت کا تختِ سلطنت کیا خاصیت رکھتا ہے۔ ہندوؤں کی پوری تاریخ پر نظر ڈال جاؤ۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ کا مطالعہ کرو۔ عیسائیوں۔ یہودیوں۔ بودھوں آتش پرستوں کے حالات زیرِ مطالعہ لاؤ کوئی قوم ایسی نہیں ملے گی جس میں تختِ سلطنت کے لئے بھائیوں کے بھائیوں کو۔ باپ کے بیٹوں کو اور بیٹوں کے باپ کو قتل و قید کرنے کی مثالیں

موجود نہ ہوں جبکہ ساری دُنیا اور تمام اقوام میں یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے جو اورنگزیب نے کیا اور تختِ سلطنت کی خاصیت ہی برادر کُشی و پدر کُشی ہے تو اورنگزیب کو تنہا مجرم اور دوسروں کے مقابلے میں خصوصی خطاکار نہیں کہا جا سکتا۔

تاہم وہ بُرا کام جس کو بہت سے آدمی کریں اچھا کام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بُرائی اور بدی ہر حالت میں برائی اور مستحقِ نفرین ہی کہی جائے گی لیکن اورنگزیب کے متعلق یہ بات معلوم عوام ہے اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ شاہجہاں کی خطرناک بیماری میں دارا شکوہ نے زمامِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور دارا شکوہ اور اورنگزیب کی مخالفت و رقابت تمام ہندو مورخین کو بلا اختلاف احدے مُسَلَّم ہے تو اورنگزیب کو دارا شکوہ کی سلطنت میں اپنی جان و مال و آبرو کا خطرہ یقینی تھا۔ لہٰذا اگر اورنگزیب نے حفاظت خود اختیاری کے لئے یہ سب کچھ کیا تو پھر اُس کے جرم کی حیثیت بہت ہی خفیف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ خود پادشاہ بننے کی کوشش نہ کرتا تو اُس کا زندہ بچنا دشوار تھا۔

میں اس باب کو زیادہ طول نہ دینے اور بات کو مختصر کرنے کے لئے ذیل میں صرف دو عظیم الشان عالی مرتبہ ہندو عالموں کی تحریریں نقل کرتا ہوں۔ ایک ہندو عالم (تلک مہاراج) کی تحریر سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ جو حالات اورنگزیب کو پیش آئے اِن حالات میں اگر اورنگزیب وہ کام نہ کرتا جو اُس نے کیا تو وہ خطاکار اور موردِ الزام ہوتا۔ اور اب وہ مستحقِ ستائش اور مستوجب آفریں ہے اور دوسرے ہندو عالم (سجان رائے بٹالوی) کی تحریر سے اُن حالات و واقعات کی صحیح رُوئداد سامنے آ جائے گی جو اورنگزیب کو باپ اور بھائیوں کے متعلق پیش آئے۔ دوسرا ہندو عالم اورنگزیب کا ہمعصر ہے اور اُس نے اپنے چشم دید حالات لکھے ہیں جس میں غلطی کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔

لوکمانیہ پنڈت تلک مہاراج کا بیان

لوکمانیہ پنڈت تلک مہاراج آنجہانی مہاراشٹر اور ہندوستان کے مشہور لیڈر اپنی کتاب موسومہ "شریمد بھگوت گیتا رہسیہ" مترجمہ شانتی نارائن مطبوعہ لاہور ایڈیشن اول کے صفحہ ۱۳۱ کی آخری سطروں میں اہنسا پرم دھرم پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"فرض کیجئے کہ ہماری جان لینے کے لئے یا ہماری بیوی یا لڑکی پر جور و جبر کرنیکے لئے یا ہمارے گھر میں آگ لگانیکے لئے یا ہمارا دھن چھیننے کے لئے۔ کوئی ظالم شخص ہاتھ میں ہتیار لیکر تیار ہو جاتا ہے اُس وقت ہماری حفاظت کرنے والا بھی کوئی اور ہمارے پاس نہیں تو ایسے وقت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔؟ کیا "اہنسا پرمو دھرما" کہکر ایسے جفا کار انسان کو معاف کر دیا جائے یا اگر وہ سیدھی طرح نہ مانے تو اُسے حتی الوسع مجبور کیا جائے۔ منوجی کا حکم ہے:۔
"ایسے جفا کار ڈشٹ آدمی کو ضرور مار ڈالے اور یہ بھی خیال نہ کرے کہ وہ گُرو ہے۔ بوڑھا ہے۔ بالک ہے یا ودوان برہمن ہے"۔ شاستر کار کہتے ہیں کہ "ایسے وقت میں ہتیا کرنے والے کو ہتیا کرنے کا پاپ نہیں لگتا بلکہ اُس ظالم جفا کار کو لگتا ہے جو کہ اپنے ادھرم سے آپ ہی مارا جاتا ہے (منو ۸۔ ۳۵۰)"۔
حفاظت خود اختیاری کے اس حق کو کسی قدر محدود کر کے زمانہ حال کے فوجداری قانون میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ ایسے موقعوں پر اہنسا کی نسبت اپنی حفاظت کی اہمیت زیادہ مانی جاتی ہے"۔

آگے چلکر تلک مہاراج صفحہ ۵۳ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور وشوا متر جی پر بڑی مصیبت پڑی۔ تب اُنہوں نے ایک چانڈال کے گھر سے کُتّے کا مانس چُرایا اور وہ اِس غلیظ اور نہ کھانے کے لائق خوراک سے بھی اپنی جان بچانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت چانڈال نے وشوامتر کو "پنچ نکھا بھکشا" وغیرہ اشلوکوں کے حوالے دیکر کھانے اور نہ کھانے کے لایق اور وہ بھی چوری سے حاصل نہ کرنے کے مضمون پر بہت سا اپدیش کیا۔ لیکن وشوامتر جی نے اُسے ڈانٹ کر یہ جواب دیا "ارے مورکھ! مینڈک ٹرٹر ہی کرتے رہتے ہیں مگر گودیں پانی پینا نہیں چھوڑتیں تو خاموش رہ مجھے دھرم گیان بتلانے کا تجھے کوئی حق حاصل نہیں۔ فضول اپنی تعریف نہ کر"۔ اسی موقع پر وشوامتر جی نے یہ بھی کہا کہ "اگر زندہ رہیں گے تو دھرم کا پالن بہت کرلیں گے۔ اس لئے دھرم کے نکتہ خیال سے بھی مرنے کی نسبت زندہ رہنا بہت ہی اچھا ہے"۔

آگے چلکر صفحہ ۲۶ پر فرماتے ہیں کہ:-

"اِسی لئے منوجی نے کہا ہے کہ استری اور مال اور دولت کی نسبت ہمیں سب سے پہلے اپنی ہی حفاظت کرنی چاہیئے۔"

آگے چلکر صفحہ ۳۷ پر فرماتے ہیں:-

"پرسرام جی نے اپنی ماتا کو مار ڈالا .... ماتا کے متعلق جو نیائے اوپر کہا گیا ہے وہی پتا کے متعلق بھی پیدا ہونے کا موقع کبھی کبھی آسکتا ہے مثلاً فرض کیجئے کہ کوئی لڑکا اپنے زور و طاقت سے راجہ ہو گیا اور اُس کا باپ قصوروار ہو کر انصاف کے لئے اُس کے سامنے لایا گیا ایسی حالت میں وہ لڑکا کیا کرے؟ راجہ کے رشتے سے اپنے قصوروار باپ کو سزا دے یا اُس کو اپنا پتا سمجھکر چھوڑ دے منوجی کہتے ہیں " باپ ... گرو۔ دوست مال۔ استری۔ پُتر اور پروہت اِن میں سے کوئی بھی اگر دھرم کے انوسار نہ چلے تو وہ راجہ کی نظروں میں ناقابلِ سزا نہیں ہو سکتا" یعنی راجہ کو اُسے ضرور سزا دینی چاہیئے (منو ۸۔ ۳۳۵)"

آگے چل کر صفحہ ۳۸ میں فرماتے ہیں کہ:-

پتامہ بھیشم نے یدھشٹر کو اپدیش کرتے ہوئے (شانتی ۱۰۸۔ ۱۷) کہا ہے گورو ماتا پتا سے بھی اعلیٰ ہے۔ لیکن مہابھارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک وقت مُرت راجہ کے گرو نے لالچ میں پھنسکر خود غرضی سے اُسے چھوڑ دیا تب مُرت نے کہا کہ " اگر کوئی گرو اس بات کا وچار نہ کرے کہ کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے اور اگر وہ اپنے ہی گھمنڈ میں رہ کر اُلٹے راستے چلے تو اُس کو بھی راہ راست پر لانا مناسب ہے۔" یہ اشلوک مہابھارت میں چار جگہ پایا جاتا ہے۔ دیگر مقامات میں چوتھا حصہ بدل دیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اُسے سزا دیکر راہ راست پر لانا چاہیئے۔ اسی کے ادھار پر بھیشم پتامہ جی نے پرشرام جی سے اور ارجن نے درونا چاریہ سے جنگ کی۔"

لوکمانیہ تلک مہاراج نے مندرجہ بالا اقتباس میں جو اصول مشرح طور پر بیان فرمایا ہے۔ اُس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد اورنگزیب کے اُس طرزِ عمل کو دیکھا جائے جو اُس نے اپنے

باپ اور بھائیوں کے مقابلہ میں اختیار کیا تو وہ خطا کار نظر نہیں آتا۔ اب دُوسرے بزرگ کا بیان سنیئے:-

منشی سُجان رائے بٹالوی کا بیان

منشی سجان رائے کی اصل فارسی عبارت کا تمام وکمال نقل کرنا طوالت اور قارئین کرام کے ایک بڑے حصے کی کلفت کا موجب ہو سکتا ہے۔ اِس لئے کہ فارسی زبان سے ذوق رکھنے والے بہت ہی تھوڑے لوگ باقی رہ گئے ہیں۔ لہٰذا مصنف کے اصل مفہوم کو رتی برابر نقصان پہنچائے بغیر اور مترادف الفاظ اور ہم مفہوم مکرر جملوں کو مختصر کر کے ذیل میں ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ سُجان رائے کا بیان ہے کہ:-

"شاہجہاں نے اپنے آخر عہدِ حکومت میں ملک کو اپنے بیٹوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ داراشکوہ کو ولیعہد بنا کر کُل سلطنتِ ہندوستان کے نظم و نسق میں اُس کو مختار و دخیل بنا کر اور اکثر امور سلطنت اُس کے حیطۂ اختیار میں دیکر تمام معاملات میں اُس کی رضامندی اور مشورہ کو ضروری قرار دیا۔ محمد شجاع کو بنگالہ کی حکومت سپرد کر کے بنگالہ کی جانب بھیجدیا۔ اورنگزیب کو دکن کا انتظام سپرد کیا اور محمد مراد بخش کو گجرات کا صوبہ دار بنایا۔ موخر الذکر تینوں شہزادے اپنے اپنے صوبوں کا انتظام باپ کے حکم کے موافق انجام دے رہے تھے کہ اتفاقاً ۱۰۶۶ھ میں شاہجہاں بادشاہ دہلی میں بیمار ہوا اور عرصۂ دراز تک صاحبِ فراش رہا۔ اِس عرصہ میں داراشکوہ نے سلطنت کے تمام کاموں کو مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لیکر دہلی کی خبروں کو باہر صوبوں میں جانے سے روک دیا۔ تمام راستوں اور دریاؤں کے گھاٹوں پر اپنے آدمی متعین کر دیئے کہ کسی کو بلا پروانگی نہ جانے دیں اور دہلی کی کوئی خبر اطرافِ ملک میں نہ پہونچنے پائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جابجا ملک میں ڈاکہ زنی شروع ہوگئی آمد و رفت کے متروک ہونے سے تجارت بھی مسدود ہوگئی۔ ملک میں صوبہ داروں اور عمال سلطنت کا اثر و اقتدار کمزور پڑ گیا۔ زمینداروں نے سرکاری مال گزاری ادا کرنے میں غفلت اختیار کی تینوں شہزادوں کے وکلا کو بھی جو دربار میں موجود رہتے تھے داراشکوہ نے قید کر دیا تھا۔ لہٰذا وہ کسی ذریعے کوئی پیغام ان شہزادوں تک نہیں پہنچا سکے۔ مراد بخش نے گجرات میں ناشدنی افواہیں سنیں اور بلا تامل

مراسم تخت نشینی ادا کر کے اپنی پادشاہی کا اعلان اور اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر دیا اور رعایا پر طرح طرح کے مظالم شروع کئے میر علی تقی کو جو اُس کی سرکار کا دیوان اور اس بغاوت و سرکشی اور مظالم سے اُس کو باز رکھنا چاہتا تھا اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا اور امرا و شرفائے گجرات کو حد سے زیادہ تنگ کیا۔ دوسری طرف محمد شجاع نے بھی بنگالہ میں یہی طریقہ اختیار کیا اور بنگالہ سے لشکر لے کر بہار و پٹنہ پر فوجکشی کر کے بنارس تک بڑھ آیا۔ دارا شکوہ نے ان دونوں بھائیوں کی بغاوت کا حال سُن کر پادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ اسی سخت بیماری و کمزوری کی حالت میں دہلی سے آگرے چلے چنانچہ بتاریخ ۲۰ محرم ۱۰۶۷ھ شاہجہاں کو کشتی میں ڈال کر دارا شکوہ براہ جمنا دہلی سے آگرہ کی طرف چلا اور ۱۰ صفر ۱۰۶۷ھ کو معہ شاہجہاں آگرے پہونچا۔ کسی کو شاہجہاں کے زندہ بچنے کی توقع نہ تھی مگر وہ زندہ آگرہ پہنچ گیا۔ آگرہ پہونچکر دارا شکوہ نے راجہ جے سنگھ کچھواہہ کو کہ بڑے راجاؤں میں سے تھا چند دوسرے امرا اور اپنے بیٹے سلیمان شکوہ کے ہمراہ عظیم الشان فوج اور زبردست توپخانہ کے ساتھ ۱۰ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ کو محمد شجاع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس فوج نے بنارس کے قریب پہونچکر محمد شجاع کو شکست دیکر بنگالہ کیطرف بھگا دیا اور صوبہ بہار پر راجہ جے سنگھ کی اتالیقی میں سلیمان شکوہ کی حکومت قایم ہو گئی۔ محمد شجاع کی فوج کے جو سردار و سپہ سالار و امرا اسیر ہوئے تھے اُن کو دارا شکوہ نے اکبرآباد (آگرہ) میں اپنے پاس طلب کر کے شہر میں تشہیر کرایا اور انواع و اقسام کی ذلتیں پہونچا کر اُن سب کے ہاتھ قلم کرا دیئے۔ اِس اذیت سے بہت سے مر گئے اور بعض نیم مردہ حالت میں باقی رہے۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ کو دارا شکوہ نے مہاراجہ جسونت سنگھ کو مہاراجہ کا خطاب دیا اور کئی دوسرے راجاؤں کثیر التعداد فوج اور زبردست توپخانہ کے ساتھ مالوہ کی جانب روانہ کیا اور حکم دیا کہ دریائے نربدا کے تمام گھاٹوں پر اور اُس نواح کے تمام قلعوں پر قبضہ رکھو اور دکن سے کسی کو اس طرف نہ آنے دو۔ قاسم خان داروغہ توپخانہ شاہی کو بہت بڑا لشکر دیکر روانہ کیا اور حکم دیا کہ مالوہ تک مہاراجہ جسونت سنگھ کے ساتھ جاؤ اور وہاں جا کر اگر مناسب سمجھو تو مراد بخش کو گجرات سے بیدخل کرنیکے لئے بسمت گجرات پیش قدمی کرو ورنہ مہاراجہ جسونت سنگھ کے ساتھ لبطور کمکی رہو۔ القصہ مہاراجہ و قاسم خان معہ افواج قاہرہ منزلیں طے کرتے ہوئے مالوہ میں پہونچے۔ دارا شکوہ اگرچہ سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا تھا۔ لیکن وہ شہزادہ محمد اورنگزیب کی طرف سے ہمیشہ خائف رہتا تھا۔ اس نے پہلے ہی سے

یہ تدبیر کی تھی کہ دکن میں اورنگزیب کے ہمراہ جو سردار متعین تھے اُن کے نام یکے بادیگرے شاہجہاں کی طرف سے فرامین لکھواکر اُن کو دکن سے بلوالیا۔ اورنگزیب قلعہ بیجاپور کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اور عادل خان والئ بیجاپور سے مصروفِ جنگ تھا قلعہ بیجاپور فتح ہونے ہی والا تھا کہ داراشکوہ نے مذکورہ تدبیر کو کام میں لاکر اورنگزیب کو کمزور اور ملک دکن کو افواجِ شاہی سے خالی کردیا۔ حالانکہ وہاں اُسی وقت فوجوں کی زیادہ ضرورت تھی عالمگیر نے انتہائی عقل وفراست کو کام میں لاکر والئ بیجاپور سے ایک کروڑ روپیہ سالانہ خراج ٹھہراکر صلح کرلی اور اپنی کمزوری اور ہمراہی فوجوں کے رخصت ہوجانے اور اپنی طاقت کے کم ہوجانے کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اورنگزیب نے باوجود اس کے کہ اس کا وکیل عیسیٰ خان جو دربار شاہی میں رہتا تھا مقید ہوگیا تھا۔ ملک میں شورش وبدامنی نمایاں ہوگئی تھی۔ مراد اور شجاع کی سرکشیوں کا حال بھی معلوم ہوچکا تھا کوئی حرکت قابل اعتراض نہیں کی۔ بلکہ مراد کو جس نے گجرات میں خودمختاری کا اعلان کیا تھا ملامت کی اور نصیحت کا خط لکھا لیکن داراشکوہ پوری طاقت سے اورنگزیب ہی کو کچل ڈالنا چاہتا تھا اور اُس کا تمام منصوبہ اورنگزیب ہی کی بربادی کے لئے تھا۔ اُس نے جسونت سنگھ اور قاسم خان کو لشکر گراں دیکر اورنگزیب کی طرف (جس کو وہ پہلے ہی بدست و پابنا چکا تھا) بھیجدیا تھا اور مہاراجہ جے سنگھ و سلیمان شکوہ کو بہار سے بلوایا تھا اور چاہتا تھا کہ اس عظیم الشان لشکر کو بھی اُجین کی طرف جسونت سنگھ کے پاس بھیجے۔ کہ سب ملکر اورنگزیب کا کام تمام کردیں (سُجان رائے کے الفاظ ملاحظہ ہوں)

"مرکوزِ خاطر داراشکوہ آں بود کہ چوں لشکرہا در حضور جمع شوند نخستین دفع شورش محمد شجاع ومرادبخش نماید بعد ازاں اتمام کار بادشاہزادہ محمد اورنگزیب کند بہمیں منصوبہ دکن از لشکرہا خالی گردانید ومنخواست کہ ہرگاہ سلطان سلیمان شکوہ کہ برمحمد شجاع رفتہ مظفر ومنصور شدہ معاودت نماید بہ تمامی لشکر کہ ہمراہ اوست بہماں ہیبت مجموعی در اُجین کہ پیشتر مہاراجہ اقامت دارد بفرستد لیکن نمی دانست کہ ۔ ع ۔
تقدیر دگر باشد وتدبیر دگر۔"

اورنگزیب یہ سنکر کہ داراشکوہ نے امور سلطنت، اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں اور بادشاہ کو جو بیمار بھی ہے مقید ومجبور کردیا ہے۔ بیجاپور سے فارغ ہوکر دولت آباد.. آیا اور باپ کی

خدمت میں پہونچنے کا ارادہ کیا کہ دار السلطنت میں پہونچکر باپ کی خدمت میں چند روز قیام کر کے دارا شکوہ کے تسلط کو کم کرے اور پادشاہ یعنی اپنے باپ کو اُس کی قید و تسلط سے آزادی دلاکر سلطنت میں جو فتور پیدا ہو گئے ہیں اُن کو دُور کرائے (سُجان رائے کے اصل الفاظ اس طرح ہیں)

"رشک برادری بر آں آورد کہ بہ عزم ملازمت حضرت اعلیٰ (شاہجہاں) روانہ شوند و در حضور والا رسیدہ چندگاہ بملازمت قیام ورزیدہ بانتظام مہام سلطنت کہ فتور سے در ارکان آں راہ یافتہ پردازند و دست تسلط دارا شکوہ کوتاہ ساختہ حضرت اعلیٰ را از قید استیلائے او بر آورند اگر زیادہ بریں استقلال می یابد در فرمانروائے مطلق العنان می گردد"

ساتھ یہ بھی ارادہ کیا کہ مراد بخش کو اپنے ہمراہ پادشاہ کی خدمت میں لیجا کر اُس کی سفارش کر کے معافی دلائے چنانچہ شہزادہ محمد معظم کو دکن کی صوبہ داری پر اپنا قائم مقام بناکر خود قدیمی رفقاء اور موجودہ جمعیت کو ہمراہ لیکر روانہ ہوا۔ ۱۲۔ جمادی الاوّل بروز جمعہ دولت آباد (اورنگ آباد) سے روانہ ہوتے وقت محمد مراد بخش کے نام خط روانہ کیا کہ تم بھی گجرات سے روانہ ہو کر مالوہ میں مجھ سے آکر مل جاؤ اور میرے ہمراہ پادشاہ کی خدمت میں چلو۔ ۲۵ جمادی الاوّل کو برہان پور پہونچکر پادشاہ کی خدمت میں بیمار پرسی اور دریافت حالات کی عرضداشت روانہ کی اور ایک مہینے تک جواب کے انتظار میں قیام کیا۔ اُدھر علی بیگ دارا شکوہ کی قید سے کسی طرح رہا ہو کر برہان پور میں اورنگزیب کے پاس پہونچا اور پادشاہ اور دارا شکوہ کی خود مختاری کے تمام حالات سنائے نیز مہاراجہ جسونت سنگھ اور افواج قاہرہ کے مالوہ میں آنے کی خبر بھی گوش گزار کی۔ یہ سنکر ۲۵۔ جمادی الثانی بروز جمعہ برہان پور سے اکبر آباد کی طرف کوچ ہوا اور دریائے نربدا کو عبور کر کے ۲۰۔ رجب المرجب دیپال پور پہونچکر قیام ہوا۔ ۲۱۔ رجب کو دیپال پور سے کوچ ہو کر تھوڑا ہی راستہ طے ہوا تھا کہ شہزادہ مراد آملا۔ اور موضع دھرمات پور میں جو اُجین سے سات کوس کے فاصلے پر ہے لشکر کا قیام ہوا۔ جسونت سنگھ اور قاسم خان کو لشکر عالمگیری کے برہان پور سے روانہ ہو کر اسطرح دریائے نربدا کو عبور کر لینے کی ہرگز توقع نہ تھی لہٰذا وہ دونوں متفق ہو کر مُراد بخش کے مقابلہ کو اُجین سے روانہ ہو کر موضع کاچرودہ تک پہونچ گئے تھے۔ کاچرودہ سے مراد بخش کا لشکر صرف تیرہ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ راجہ جسونت سنگھ اور قاسم خان نے کاچرودہ میں دو تین دن قیام کیا اور یہیں اچانک سنا کہ مراد بخش راستے سے کترا کر نکل گیا۔ اور اورنگزیب سے جو نربدا عبور کرنے کے بعد دھرمات پور میں آگیا ہے جاملا ہے

یہ سنتے ہی جسونت سنگھ کوچ کر کے اورنگزیب و مراد کے لشکر سے ایک کوس کے فاصلے پر دھرمات پور کے قریب پہونچکر خیمہ زن اور آمادۂ پیکار ہوا۔ اورنگزیب نے کب رائے برہمن کو اپنا ایلچی بنا کر مہاراجہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے۔ (اِس جگہ سجان رائے کے الفاظ یہ ہیں)

"خدیو عالم نظر برآں کہ گرد رزم بر انگیختہ نشود و خون مسلمانان ریختہ نہ گردد کب رائے نامی برہمن کہ فہمیدۂ و دانائے وقت بود نزد راجہ جسونت سنگھ فرستادہ پیغام نمودند کہ ما را جنگ عزم غیست آرزوئے ملازمت حضرت اعلیٰ (شاہجہاں) داریم الانسب آنست کہ آمدہ ملازمت نماید والا از راہ برخیزد راجہ این معنی قبول نہ کردہ کب رائے را رخصت نمودہ قرار بر جنگ داد چوں کب رائے آمدہ این معنی بعرض رسانید عرق غیرت بادشاہانہ بتحرک آمدہ"

چنانچہ بروز جمعہ ۲۲ رجب بوقت صبح لڑائی شروع ہوئی عین حالتِ جنگ میں جبکہ اورنگزیب کا لشکر چیرہ دست اور مہاراج کا لشکر مغلوب نظر آنے لگا تھا مہاراجہ نے اپنا وکیل اورنگزیب کے پاس بھیجا کہ میں مصالحت پر آمادہ ہوں آپ لڑائی موقوف کر دیں۔ اورنگزیب نے یہ جواب دیکر اُسے واپس کیا کہ جب آپ اپنی خوشی سے لڑنے پر آمادہ ہوئے ہیں تو پھر ہم کو لڑائی سے باز رکھنے کی فرمائش کرنا بے معنی ہے۔ آپ شوق سے تنہا تشریف لے آئیے۔ آپکو کسی قسم کا گزند نہ پہونچے گا اور لڑائی فوراً ختم ہو جائے گی۔ مہاراجہ نے اس کا کوئی جواب نہ بھیجا چھ گھڑی دن چڑھے تک لڑائی جاری رہی۔ اِس عرصے میں مکند سنگھ ہاڈا۔ رتن سنگھ راٹھور۔ دیال داس جھالا اور ارجن گرو اور دوسرے راجپوتوں نے جان سے ہاتھ دھو کر اورنگزیب کے توپخانے پر حملہ کیا اس موقع پر سجان رائے نے ایک شعر نہایت سخت الفاظ میں لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ)

"دریں اثنا مکند سنگھ ہاڈا اور رتن سنگھ راٹھور و دیال داس جھالا و ارجن گرو و دیگر راجپوتان تہور رانہ از جانب مہاراجہ دست از جان شستہ جلو ریز بر توپخانہ سرکار والا آمدہ بجنگ پرداختند ؎

ہمہ جاہل و سرکش و جنگ جو ؎ چو شمشیر آہن دل و سخت رو"

راجپوتوں کے اس حملہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اورنگزیب کے لشکر سے مرشد قلی خان دیوان مارا گیا اور ذوالفقار خان زخمی ہوا۔ مہاراجہ جسونت سنگھ کی فوج تعداد میں اورنگزیب کے لشکر سے بہت زیادہ تھی مگر طرفین سے کشتوں کے پشتے لگ جانے اور مکند سنگھ ہاڈا سجان سنگھ سیسودیہ۔ رتن سنگھ راٹھور۔ ارجن سنگھ گرو۔ دیالداس جھالا۔ موہن سنگھ ہاڈا وغیرہ راجپوت سرداروں کے مارے جانے کے بعد ابھے رائے سنگھ سیسودیہ۔ راجہ سجان سنگھ چندر راوت اور مہاراجہ جسونت سنگھ سپہ سالار اعظم میدان جنگ چھوڑ کر فرار کی عار گوارا کرنے پر مجبور ہوئے۔ مہاراجہ جسونت سنگھ نے یہاں سے فرار ہو کر اپنے وطن جودھ پور میں جاکر دم لیا مہاراجہ اور دوسرے راجپوتوں کے فرار ہونے کے بعد قاسم خان نے بھی راہ فرار اختیار کی اور تمام توپخانہ۔ خزانہ ہاتھی۔ گھوڑے اسباب وسامان سب اورنگزیب کے قبضے میں آیا۔ اس کے بعد سجان رائے نے جو الفاظ لکھے ہیں انکو محض اس لئے نقل کرتا ہوں کہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس زمانے میں ہندو مسلمانوں کے درمیان آجکل کے اس ذلیل قسم کے تعصب کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ سجان رائے نے جس طرح کسی مسلمان کی نالائقی دیکھ کر اس کو حقارت آمیز لہجہ میں یاد کیا ہے۔ بالکل اسی طرح کسی ہندو کی نالائقی دیکھ کر اس ہندو کو بھی ایسے ہی لہجہ میں یاد کیا ہے (سجان رائے کے الفاظ یہ ہیں)

"القصہ ایں چنیں لشکر گراں وحشم بے پایاں کہ راجہائے عظیم الشان وعمدہ ہائے جلاوت نشان با توپخانہ فراواں وسامان بیکراں وفیلاں کوہ توان وسائر اسباب وادوات د پیکار فراہم آمدہ بودند از صلابت مہابت خدیوگیہان مانند انبوہ حیوان کہ از حملہ شیر ژیاں گریزاں گردد یا لبان تراکم سحاب کہ از یورش باد پریشاں شود منہزم شدہ پریشاں ومتفرق شدند و فتح نمایاں کہ از طراز فتوحات آسمانی وعنوان ظفر نامجات پاستانی تواند شد نصیب اولیائے دولت قاہرہ گردید وقریب شش ہزار کس از کشتگان رزمگاہ بموجب حکم والا الشتہا۔ ودر آمدند و از خستگان نیم جان حساب بے نیست جائے کہ باز بلند پرواز بال کشا گردد کبوتر سے حقیر راہ ہوا در آمدن بہ پنجہ اجل رسیدن است وگاہے کہ شیر دلیر بقصد تسخیر نخچیر برخیزد روباہ مستمند سے را دربرگشتن از خون خویش دست شستن است"

(اس کے بعد دارالشکوہ کی نالائقی اور بادشاہ کو باوجود اس کے کہ آگرہ کی ہوا ناموافق تھی

دہلی جانے سے روکنے اور زبردستی آگرہ میں رکھنے کا ذکر کر کے دارا شکوہ کے لشکر فراہم کرنے اور اورنگزیب کے مقابلے پر مستعد ہونے کا ذکر کیا ہے۔ آخر آگرہ سے دس کوس کے فاصلے پر ۷۔ رمضان المبارک کو اورنگزیب و دارا شکوہ کا مقابلہ ہوا۔ دارا شکوہ نے شکستِ فاش کھائی۔ اس موقع پر سجان رائے نے دارا شکوہ کی بزدلی و بے تدبیری و نالائقی کو نہایت واضح اور پُرزور الفاظ میں بیان کیا ہے۔ پھر ایک نہایت اہم اور قابلِ غور بات یہ بیان کی ہے کہ شاہجہان کو دارا شکوہ کی خاطر اس قدر زیادہ عزیز تھی کہ اورنگزیب کو باوجود اس کے کہ اس نے پادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض معروض کرنا اور اپنی بیگناہی کا ثبوت پیش کرنا چاہا تھا، شاہجہاں نے خود ہی اپنے سامنے آنے کی اجازت نہ دی (سجان رائے کا یہ بیان عالمگیر پر ہونے والے اعتراض کو رفع کرنے کے لئے خاص طور پر قابلِ توجہ ہے)

"پیش نہادِ خاطرِ والا آں بود کہ در ساعت مسعود حصول دولتِ ملازمتِ حضرت اعلیٰ (شاہجہان) نمایند و در استرضائے خاطر ملکوت مناظر کوشیدہ غدر وقوع حوادث درمیان آورند و بالکلیہ حجابے کہ حادث شدہ مرتفع سازند از آں جا کہ حضرت اعلیٰ را کمال توجہ بحال خسران مآل دارا شکوہ بود و برعایت خاطر او چشم از صلاح دولت پوشیدہ در اصلاح و تربیت آں نہال بے ثمر (دارا شکوہ) می کوشیدند رضامند نہ شدند کہ خدیو گیہاں (عالمگیر) بہ ملازمت بکوشند لاجرم بحکم تقاضائے وقت خدیو آفاق ترک عزم ملازمت نمودند و در خلال ایں حال خبر اقامت دارا شکوہ بہ شاہجہان آباد (دہلی) و فراہم آوردن لشکر بقصد جنگ بمسامع والا رسید تہاون و تاخیر در اکبرآباد صلاح دولت نادانستہ عزیمت بمدافعت دارا شکوہ مصمم نمودند۔"

شاہزادہ محمد سلطان اور اسلام خان کو اکبرآباد میں چھوڑ کر اور فاضل خان میر سامان کو شاہجہاں کی خدمت گزاری اور حکیم نصرت خان کو تین ہزار اشرفی عطا فرما کر شاہجہاں کے معالجے اور حفظِ صحت کے لئے مامور کر کے ۲۲۔ رمضان المبارک کو آگرہ سے دہلی کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں متھرا کے مقام پر مراد بخش کو گرفتار کیا گیا۔ مراد بخش کی گرفتاری سے اگلے دن راجہ جے سنگھ جو دارا شکوہ کی شکست کا حال سنکر سلیمان شکوہ کی رفاقت ترک کر کے چلدیا تھا عالمگیر کی خدمت میں پہونچا۔ اسی روز کرت سنگھ پسر جے سنگھ اور رائے سنگھ برادر زادہ جسونت سنگھ جو دارا شکوہ کے لشکر میں شامل تھے اورنگزیب کی خدمت میں

حاضر ہو گئے۔ ان راجپوت راجاؤں کا خود بخود دارا شکوہ کی حمایت و رفاقت ترک کر کے اورنگزیب کی خدمت میں حاضر ہونا اس بات کو صاف بتا رہا ہے کہ ان کے نزدیک عالمگیر دارا شکوہ کے مقابلہ میں زیادہ مستحقِ سلطنت تھا۔ مراد بخش کی گرفتاری کا حال لکھتے ہوئے سجان رائے لکھتا ہے کہ:

"او از خودسری و بے حوصلگی مدعی خلافت بود چتر و تخت و سائر لوازم فرمان روائی با خود داشت چوں دید که امر سلطنت بخدیو آفاق قرار گرفته و زمام حل و عقدِ امورِ خلافت بکفِ اقتدار والا در آمده عرقِ حسد بر پیشانی او حرکت نمود و اغوائے خوشامد گویان و فتنه جویان ضمیمه سودا و غرور گردید و در صدد توفیر لشکر مشغول شد و بعضے امرائے ناعاقبت اندیش را با انواع استمالت بخود کشیده باضافه مناصب و خطابها سرافراز ساخت و اسباب شورش و سرکشی سرانجام داده خیالہائے فاسد بخود راه داد۔ او از اکبرآباد برآمده عقب لشکر فیروزی اثر می آمد و درکمیں فرصت انتظار می بود و بعد از فتح بر دارا شکوه تا حال بملازمت نه رسیده بود بخاطر مقدس رسید که بهر صورت ایں بے خرد را دستگیر کرده رفع شورش باید نمود۔"

مراد بخش اپنی خودسری و کم ظرفی کی وجہ سے سلطنت و پادشاہت کا مدعی تھا اور تخت و تاج اور علامات و لوازمات پادشاہی اپنے ہمراہ رکھتا تھا اس نے جب دیکھا کہ سلطنت اور سلطنت کے معاملات و انتظامات کی باگ اورنگزیب کے کفِ اقتدار میں آگئی ہے تو وہ رشک و حسد میں مبتلا ہو کر اور فتنہ پرداز خوشامدی لوگوں کی باتوں میں آکر اپنے لشکر کو بڑھانے میں مصروف ہوا اور اورنگزیبی لشکر کے بعض کوتاہ اندیش سرداروں کو طرح طرح کے لالچ دیکر اپنی طرف توڑ لیا اور ان کے منصب اور خطابوں میں اضافہ بھی کر دیا اس طرح شورش و سرکشی کا تمام سامان مکمل کر کے خیالاتِ فاسدہ کو پورا کرنیکے درپے ہوا (یعنی اورنگزیب کے قتل یا گرفتار کرنیکی تدبیروں میں مصروف ہوا) وہ آگرے سے نکل کر عالمگیری لشکر کے پیچھے پیچھے آرہا تھا اور فرصت و موقع کی تاک میں تھا اور دارا شکوہ کی جنگ میں غلبہ حاصل ہونے کے بعد سے اب تک اورنگزیب کے پاس تک نہیں پھٹکا تھا (یعنی الگ ہی رہکر اپنی تیاریوں میں مصروف تھا) عالمگیر نے سوچا کہ اس احمق کو اسیر و دستگیر کئے بدون کام نہ چلے گا اور یہ جدید فتنہ بغیر اس کے فرو نہ ہوگا۔

"دارا شکوہ لشکر عالمگیری کے بجانب دہلی آنے کی خبر سن کر دہلی سے لاہور کی سمت فرار ہوا۔ لاہور میں نور پور کے زمیندار مسمی راجہ راجروپ اور سکھوں کے گرو ہر رائے نے اول اپنی اپنی جمعیتوں کے ساتھ دارا شکوہ کی رفاقت اختیار کی لیکن پھر دارا شکوہ کی نالائقی و بے تدبیری کا اندازہ کرنے اور لشکر عالمگیری کے لاہور کی جانب آنے کی خبر سننے کے بعد دارا شکوہ سے علیحدگی اختیار کرلی اور بلا اطلاع اُس سے جدا ہو کر اپنے اپنے مقامات کو چل دیئے۔ دارا شکوہ نے جب لاہور میں لشکر عالمگیری کے آنے کی خبر سنی اور اپنے آپ کو بے یار و مددگار پایا تو وہ پنجاب کا تمام خزانہ و جواہر ہمراہ لیکر لاہور سے فرار ہوا۔ عالمگیر نے ملتان تک تعاقب کیا اور ۱۲ محرم ۱۰۶۹ھ کو ملتان سے دہلی کی جانب واپس ہوا اور ۲ صفر ۱۰۶۹ھ کو جبکہ عالمگیر سرہند کے قریب پہونچا مہاراجہ جسونت سنگھ حاضر خدمت ہوا۔ عالمگیر نے اُس کی خطائیں معاف کردیں۔ ۷۔ ربیع الاول ۱۰۶۹ھ کو دہلی پہونچکر جشن سالگرہ منعقد کیا۔ راجہ جے سنگھ کو خلعت مرحمت ہوا۔ اُدھر شہزادہ محمد شجاع نے بنگالہ سے بہار کی طرف پیش قدمی کی اور دارا شکوہ کے مامور کردہ تمام اہلکاروں نے قلعوں کی کنجیاں اور خزانے اُس کے سپرد کرنے شروع کئے یہانتک کہ وہ پھر صوبہ بہار پر قابض و متصرف ہو کر اودھ کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ خبر سن کر عالمگیر اُس کی مدافعت کے لئے روانہ ہوا۔ آخر ۱۹۔ ربیع الثانی ۱۰۶۹ھ کو کھجوہ ضلع فتحپور کے قریب دونوں کا مقابلہ ہوا۔ عالمگیر نے مہاراجہ جسونت سنگھ کو میسرہ کا افسر مقرر کیا تھا۔ اُس روز شام تک لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہوا اور دونوں فوجیں میدان جنگ ہی میں مسلح و مستعد شب بسر کرنے پر مجبور ہوئیں۔ آدھی رات کے وقت مہاراجہ جسونت سنگھ نے محمد شجاع کے پاس خبر بھیجی کہ میں عالمگیر کے ساتھ غداری کر کے فرار ہو رہا ہوں۔ آپ اس موقع سے فائدہ اُٹھائیں۔ یہ خبر بھیجکر جسونت سنگھ اپنے تمام ہمراہی راجپوتوں کو ہمراہ لیکر لشکر عالمگیری کی بہیر و بنگاہ کو لوٹتا اور لوگوں کو قتل کرتا ہوا فرار ہوا اور تمام لشکر میں اچانک افراتفری برپا ہوگئی۔ (سجان رائے کے الفاظ یہ ہیں)

"دراواخر شب مہاراجہ جسونت سنگھ کہ ظاہر سر بر خط بندگی وانقیاد نہادہ اظہار دولت خواہی می نمود در باطن از خبث سریرت خویش خائف و ناایمن میزلیست بعزم شورش انگیزی از معرکہ کارزار فرار نمودہ شبا شب کسان نزد محمد شجاع فرستادہ اورا از داعیہ فاسد خود اطلاع داد و تمامی لشکر خود و راجپوتان کہ در برنغار باو تعین بودند

روگرداں شدہ عنانِ اوبار برتافت وبار دوئے شاہزادہ محمد سلطان کہ برسرِ راہ بود مردمش دست جسارت بغارت کشودند وہرچہ توانستند تاراج نمود۔"

لشکرِ عالمگیری کی اس بدنظمی و پریشانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے آدمی محمد شجاع کے لشکر میں جا ملے۔ بعض نامردوں نے جسونت سنگھ کی طرح راہِ فرار اختیار کی اور سب پر مایوسی چھا گئی۔ مگر عالمگیر کے پائے استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ آخر جب صبح کو لڑائی شروع ہوئی تو شجاع شکست کھا کر بنگالہ کی طرف بھاگا اور عالمگیر کے ہاتھ بہت سا سامان آیا۔ راجہ جسونت سنگھ دارا شکوہ کے پاس جو سندھ میں آوارہ پھر رہا تھا جانا چاہتا تھا۔ مگر دارا شکوہ سندھ سے گجرات کی طرف فرار ہو چکا تھا۔ یہاں تک پہونچ کر خلاصۃ التواریخ ختم ہو جاتی ہے۔"

قارئینِ کرام کی خدمت میں مؤدبانہ ملتمس ہوں کہ اس باب میں اور بھی بہت سے اقتباسات ہندو مورخین کی کتابوں سے نقل کئے جا سکتے تھے۔ لیکن میرے نزدیک جو کچھ اوپر نقل کیا جا چکا ہے بہت کافی ہے اور اس غیر اہم مضمون کو جو اس باب کا موضوع ہے زیادہ صفحات نہیں دیئے جا سکتے۔ مسلمان مورخین نے اس معاملے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب میرے پیشِ نظر ہے۔ لیکن ہندو مورخین میں سجان رائے سے زیادہ معتبر و معتمد اور کون ہو سکتا ہے جس نے عالمگیر اورنگزیب کی کم سے کم مدح و ستائش کی ہے اور جس کا ادائے بیان اور ایک ایک لفظ خود اپنی صداقت کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔

باب سوم

عالمگیر کا برتاؤ سکھوں سے

ہندوؤں کے علاوہ سکھوں کو بھی عالمگیر کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں سکھوں کے معاملہ کو بھی ہندوؤں ہی کی گواہی سے پہلے طے اور فیصل کر دیا جائے۔ اس کے بعد پھر ہندوؤں کی

مزعومہ شکایات کو زیرِ غور لایا جائے سکھوں کے معاملہ میں سب سے پہلے ایک ایسے گواہ کو پیش کرتا ہوں کہ اُس کی گواہی سے نہ کسی سکھ کو انکار ہو سکتا ہے نہ کسی ہندو کو اور اُس سے زیادہ معتبر گواہ کہاں اُس کی برابر بھی کوئی دُوسرا معتبر گواہ تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے گواہ بھی اسی طرح اعلیٰ درجے کے معتبر اور ثقہ گواہ ہیں ؛

لالہ سوہن لال مصنف عمدۃ التواریخ

لالہ سوہن لال ابن لالہ گنپت رائے ابن لالہ حکومت رائے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ فرماں روائے پنجاب کے درباری اور روزنامچہ نویس تھے اور اُنہوں نے نہ صرف مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پورا عہدِ حکومت دیکھا تھا بلکہ رنجیت سنگھ کے بعد اُن کے جانشینوں کا زمانہ اور پنجاب پر انگریزوں کا تسلط بھی دیکھا تھا اور اُن کے باپ لالہ گنپت رائے سوری مہاراجہ رنجیت سنگھ کے باپ سے اسی قسم کا تقرب اور خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ لالہ سوہن لال نے اپنے باپ کے نوشتوں اور یادداشتوں سے بھی پورا پورا فائدہ اُٹھا کر سکھوں کی ایک نہایت مفصل و مکمل تاریخ فارسی زبان میں لکھی جو عمدۃ التواریخ کے نام سے موسوم ہے۔ اِس ضخیم و جسیم تاریخ کے اکثر حصے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سامنے مرتب و مدون ہو چکے تھے اور وہ اس تاریخ کو قبولیت و پسندیدگی کا خلعت عطا کر چکے تھے۔ اس تاریخ کا مسودہ کپتان آر۔ سی ٹمپل صاحب بہادر کنٹونمنٹ مجسٹریٹ انبالہ کے ہاتھ آیا اور اُنہوں نے ۱۸۸۴ء میں اپنے دیباچے کے ساتھ شائع کیا۔ لالہ سوہن لال مصنف عمدۃ التواریخ کو انگریزوں نے ۱۸۴۷ء میں ہی جبکہ سکھوں کی حکومت کا خاتمہ کر کے پنجاب پر اپنا تسلط قائم کیا اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ اور مسٹر جے۔ ڈی۔ کننگھم صاحب نے اِس تاریخ کے ایک حصہ کی نقل منگا کر مصنف کے پاس سنو روپے بطور انعام یا بطریق معاوضہ بھیجے تھے۔ اور گورجنرل بہادر نے ۱۸۵۰ء میں مصنف ممدوح کو ایک ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر عطا کی تھی اور یہ سب کچھ اِس لئے تھا کہ مصنف سکھوں کی ایک مفصل و مکمل تاریخ کا مسودہ تیار کر چکا تھا اور اُس کو اپنے اِس مسودہ میں ابھی ترمیم و تنسیخ کا موقع بھی حاصل تھا۔ اِن سب باتوں پر غور کرنے اور خود عمدۃ التواریخ کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی روشن و نمایاں ہے کہ اِس کتاب میں کوئی بات ایسی نہیں لکھی جا سکتی تھی جو مسلمانوں کی بے جا مدح اور جھوٹی ستائش پر مبنی اور سکھوں کے خلاف ہو جتی کہ مصنف نے

اُن تمام ضروری باتوں کو جو سکھوں کے جذبات کو ٹھیس پہونچانے والی یا سکھوں کی عزت کو ذرا بھی نقصان پہونچانے کا موجب ہو سکتی تھیں اور دوسری تمام تاریخوں میں مندرج ہیں صاف اُڑا دیا اور بالکل حذف کر دیا ہے۔ اور سلسلۂ کلام کے غیر مربوط ہو جانے کی بھی پرواہ نہیں کی اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات جو سکھوں کی شان و عظمت کو ظاہر کرنے والی ہو سکتی ہے نہایت تفصیل اور مبالغے سے بیان کئے بغیر نہیں چھوڑی۔ سوہن لال صاحب نے ہر جگہ سکھوں کے گوروؤں اور بزرگوں کا نام اِس طرح لیا ہے جیسے پیغمبروں یا اوتاروں یا شاہنشاہوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح انگریزوں کے خلاف بھی کوئی بات اس تاریخ میں نہیں ہے۔ اِس کتاب کے اصل مسودہ میں سے کچھ اوراق کے کم ہو جانے کا تذکرہ خود کپتان آر۔ سی ٹمپل صاحب نے بھی کیا ہے اور سکھوں اور انگریزوں کی لڑائی کے متعلق جو کچھ مصنف نے لکھا تھا اُس کے حذف ہو جانیکا علانیہ اقرار کر کے اپنے ایک دوست مسٹر ہربرٹ ایڈورڈس صاحب کو ملزم ٹھہرایا ہے کہ وہ سکھوں اور انگریزوں کی لڑائی کے بارے میں لکھے ہوئے اوراق عاریتاً مانگ کر لے گئے تھے پھر اُنھوں نے واپس نہیں کئے (ان دونوں دوستوں کی اِس حرکت پر جس قدر افسوس ہمارے سکھ دوستوں کو ہوگا اس سے زیادہ افسوس مجھ کو ہے) احمد شاہ درانی اور پنجاب کے مسلمان صوبہ داروں کا تذکرہ مصنف نے ہر جگہ گستاخانہ لہجہ اور حقارت سے کیا ہے۔ لالہ سوہن لال صاحب اُس بات کو بھی صاف اُڑا گئے ہیں کہ احمد شاہ درانی نے کس طرح رنجیت سنگھ کو نوازا تھا سوہن لال سکھوں کا تو نوکر تھا ہی نہیں لیکن اُس کو ہندوؤں کی بھی ہر طرح رعایت منظور تھی چنانچہ اُس نے اپنی تاریخ میں جو ضرورت سے زیادہ مفصل اور مطول ہے مرہٹوں کی پنجاب میں لوٹ مار اور تباہی برپا کرنے کا ذکر نہیں کیا ؛

چونکہ عمدۃ التواریخ کافی عرصے تک ایک عیسائی انگریز اور مصنف کے رشتہ داروں کے قبضے میں رہنے کے بعد شائع ہوئی ہے۔ اِس لئے اُس کے بیانات کو خاص خاص موقعوں پر مشتبہ اور پایۂ اعتبار سے ساقط بھی کہا جا سکتا ہے لیکن مسلمانوں کے متعلق اُس میں جہاں کہیں جو کچھ موجود ہے وہ یقیناً لالہ سوہن لال صاحب ہی کی تحریر ہے اور چونکہ لالہ سوہن لال صاحب پر کسی مسلمان کا کوئی دباؤ اور اثر قطعاً نہیں پڑ سکا لہٰذا اگر عمدۃ التواریخ میں مسلمانوں کے موافق کچھ موجود ہے تو اُس کے صحیح اور درست ہونے میں ہرگز ہرگز کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا اور اورنگزیب کے موافق اگر ایک لفظ بھی عمدۃ التواریخ میں موجود ہے تو وہ ہزار الفاظ سے بھی زیادہ وزندار اور زیادہ قیمتی سمجھا جائے گا۔ گورو گوبند سنگھ اور

گورو تیغ بہادر وغیرہ کو اورنگزیب کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اس لئے آجکل کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں اور جھوٹے مصنوعی افسانوں پر نظر کرتے ہوئے یہی توقع کیجا سکتی ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ۔ مہاراجہ شیر سنگھ اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کے روزنامچہ نویس اور وکیل دربار نے اورنگزیب کے عیوب نمایاں کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کی ہوگی۔ لیکن حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جبکہ عمدۃ التواریخ میں کسی ایک جگہ بھی اورنگزیب کی ذات پر قطعاً کوئی جرم وارد نہیں کیا گیا۔ گرو تیغ بہادر اور گرو گوبند سنگھ وغیرہ گروؤں پر بعض عاملوں کے برتاؤ کی شکایت تو ہے لیکن عالمگیر کا ذکر ہر جگہ عزت و عظمت کے ساتھ کیا ہے اور عالمگیر کے سر پر قطعاً کوئی الزام نہیں تھوپا گیا پس عمدۃ التواریخ سب سے بڑی اور زبردست دلیل اس بات کی ہے کہ سکھوں کے آخر عہد حکومت یعنی ۱۸۵۰ء تک بھی عالمگیر کم از کم صوبۂ پنجاب کے سکھوں اور ہندوؤں میں ہرگز مجرم اور قابل ملامت نہیں سمجھا جاتا تھا اور اس کو واجب التکریم ہی خیال کیا جاتا تھا۔ بعد میں صاحب اغراض لوگوں نے اس کے خلاف دروغگوئی کا طوفان برپا کیا ہے۔ سوہن لال صاحب عمدۃ التواریخ کے ابتدا ہی میں تاریخ اور مورخین کا تذکرہ کرتے ہوئے عالمگیر کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"برآرندۂ دیہیم جہانداری فرازندۂ اورنگ نامداری شمس صولت و حشمت حضرت اورنگزیب عالمگیر بادشاہ بہ ترتیب شایان مرتب و مہیا شدہ اندشا ہے کہ از ماہ تا ماہی از تیغ بے دریغ او مسخر گشتہ و از سمک تا سماک در غرصیت عدل و احسانش لعبدف گوش انام رسیدہ گوشوار گوش جمیع الناس گردید .... از ابتدائے سن صبی تا سن انحطاط و شیخوخت لمحہ و لحظہ از تذکار و تعداد اسمار الٰہی غافل و ناہل نماندہ و چرا باشد کہ ایں بزرگ منش والا نژاد شمع اقبال و چراغ جاہ و جلال و مصباح روشن دلی و مشکوٰۃ صفا قلبی در کاشانۂ رعیت پروری فانوس عدالت گستری افروختہ و روشن می باشد تا بملاحظہ و مشاہدہ ایں معنی شیر را از آب و نے را از شکر متمائز و جدا ساختہ بر فاہیت حال عالم و عالمیان و آسودگی احوال جہان و جہانیاں سعی بلیغ از قوۃ لطون لعرصۂ شہود آرد و ایں معنی فتیح حسنات و مثمر برکات و موجب رفاہ اخروی میگردد و قلم بلاغت رقم اگر تا تمام عمر گرد دار محیط دائرہ ترقیم گردد برخے از آں او نتواند ساخت و از یکے تا ہزار قیاس باید نمود"

لالہ سوہن لال صاحب سوری کے قلم سے یہ الفاظ اس وقت نکلے ہیں جبکہ سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گُل ہو چکا تھا اور عالمگیر کے کسی جانشین یا مسلمانوں سے اُن کو نہ کسی قسم کا خوف تھا نہ کسی قسم کا لالچ ہو سکتا تھا بمہاراجہ رنجیت سنگھ کے درباری اور وکیل سرکار کو جو مہاراجہ کا روزنامچہ نویس تھا کس چیز نے مجبور کیا تھا کہ وہ عالمگیر اورنگزیب کو مذکورہ الفاظ اور ایسے پرعظمت القاب وخطابات سے یاد کرے فتدبروا!

لالہ سوہن لال صاحب نے عمدۃ التواریخ میں سکھوں کے گروؤں کا حال بہت ہی طول طویل عبارت میں لکھا ہے۔ سب کا نقل کرنا تو دشوار ہے۔ ضروری حالات ذیل میں ترجمہ کر کے درج کئے جاتے ہیں:

گرو ارجن داس سودھی

گُرو ارجن داس اپنے باپ گُرو رام داس سودھی کے جانشین ہوئے۔ گُرو ارجن داس اکثر رتھ میں سوار ہو کر شاہ میر صاحب عرف میاں میر صاحب کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ (لالہ سوہن لال صاحب کے الفاظ یہ ہیں)

"ذات عالی از محل استقامت خود بر رتھ سواری فرمودہ بنابر زیارتِ واقفِ رموزِ تقدیر شاہ میر تشریف ارزانی می فرمودند"

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میاں میر صاحب کی ملاقات کے لئے کوئی شہزادہ حاضر ہوا۔ میاں میر صاحب نے شہزادے کو آتے ہوئے دیکھ کر کسی مرید کو حکم دیا کہ پرانا ٹوٹا ہوا بوریا بچھا دو۔ شہزادہ اس ٹوٹے ہوئے بوریئے کو اپنی شان کے خلاف دیکھ کر واپس چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد گُرو ارجن آئے اور اس بوریئے پر بیٹھ گئے۔ شاہ میر صاحب نے فرمایا کہ بوریئے کے ساتھ ہندوستان کی سلطنت کا تخت وابستہ تھا۔ شہزادہ اپنی بدنصیبی سے محروم رہا اور تختِ سلطنت اب گُرو ارجن کو ملے گا۔ گُرو ارجن داس یہ مژدۂ جانفزا سنکر خوش ہوئے اور اپنے آپ کو بادشاہ یقین کرنے لگے۔ لاہور میں ایک شخص کانہہ نام کا مذہبی قیود سے آزاد درویشانہ حالت میں رہتا اور ہندی اشعار وحدانیت باریتعالیٰ کے مضمون کے لکھا کرتا تھا۔ اس نے یہ سنکر کہ گُرو ارجن داس گرنتھ صاحب کی تالیف میں مصروف ہیں گُرو صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور رتھ میں سوار ہو کر اُن کی خدمت میں پہونچا۔ اور کہا کہ میرے طبع زاد اشعار بھی آپ اپنی کتاب میں شامل

فرمائیں۔ گروجی نے کہا کہ کیا ہرج ہے۔ آپ اپنے دو تین اشعار سنائیں اگر وہ اس قابل ہوئے تو میں آپکی فرمائش پوری کردوں گا۔ کانہہ درویش نے اپنے اشعار سنائے۔ گرو صاحب نے سن کر کہا کہ تمہارے اشعار گرنتھ صاحب میں درج نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ ان میں انانیت کی لو آتی ہے۔ فقرا کی کتاب میں ایسے اشعار درج نہیں ہو سکتے۔ کانہہ مذکور یہ سن کر رنجیدہ اور خشمگیں ہوا اس نے کہا کہ تو مخالفانِ دین کے ہاتھ میں گرفتار ہوگا۔ گروجی نے کہا کہ تیرا لاہور تک صحیح سلامت پہونچنا دشوار ہے۔ اس طرح تلخ کلامی کے بعد ملاقات ختم ہوگئی اور کانہہ اپنی رتھ میں سوار ہو کر لاہور کو چلدیا۔ گروجی نے کفگیر لیکر غصے سے دیگچی میں مارا اسی وقت کانہہ مذکور راستے میں اپنی رتھ سے گر پڑا اور اس کا سر دو ٹکڑے ہوگیا؛

گرو ارجن داس کے دو حقیقی بھائی تھے۔ ایک کا نام مہادیو اور دوسرے کا نام پرتھی مل تھا۔ ان دونو بھائیوں نے ازراہِ حسد گرو ارجن داس کے خلاف بھائی سخانند (سکھانند) دیوان شاہی سے سازش کی۔ اور اس کو جس طرح ممکن ہوا اس بات پر آمادہ کردیا کہ وہ گرو ارجن داس کی تباہی کا سامان مہیا کرے چنانچہ دیوان مذکور نے اپنی بیٹی کی نسبت گروجی کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اس سے شادی کرلیں۔ گروجی نے انکار کردیا اور کہلا بھجوایا کہ فقیروں کا رشتہ امیروں کے یہاں نہیں ہوا کرتا۔ دیوان مذکور نے اپنی اس تدبیر کے کارگر نہ ہونیکے بعد جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ گرو ارجن نام کا ایک شخص ہے جس نے ہندو اور مسلمان دو فرقوں کے علاوہ ایک تیسرا فرقہ ایجاد کیا ہے اور ہر روز ہندو اور مسلمان دونوں اس کے مطیع و مرید ہوتے جاتے ہیں۔ اندیشہ اس بات کا ہے کہ ملک میں بدامنی اور خلل پیدا نہ ہو جائے۔ جہانگیر نے یہ سنکر حکم دیا کہ گرو ارجن چونکہ تیری ہی قوم کا آدمی ہے لہٰذا تو ہی جس طرح مناسب سمجھے اس کا تدارک کر۔ سخانند دیوان نے اس کو بہت غنیمت سمجھا اور گرو ارجن کے ساتھ وہ ناشائستہ برتاؤ کیا جو تحریر میں نہیں آسکتا اور آخر گروجی کو دریائے راوی میں ڈال کر ڈبو دیا۔ اس جگہ لالہ سوہن لال نے دیوان مذکور کے ناشائستہ برتاؤ کی کوئی تشریح نہیں کی اور صرف اس فقرے میں کل داستان کو ختم کردیا کہ:۔

"دیوان ضلالت اقتران ظہور ایں حکم بادشاہی از تائیدات ایزدی چون تصور دیدہ و در انہماک و انمحاق خویش تنظر کردہ آنچناں مقدمہ ناشائستہ نمایاں کرد کہ قلم در تحریر آں خوں فشاں و دیدہ گریاں و دل بریاں و جان حیراں می باشد آخر الامر بعد از ظہور بعضے مقدمات ناملایم ذات عالی را در بحرِ راوی انداختند و بندگان عالی شناور بحر محیط الٰہی گردیدہ

در مبدءِ فیاض رسیدند"۔

(حالانکہ دوسری تاریخوں میں مفصل حالات مرقوم ہیں)

گرو ہرگوبند ابن گرو ارجن داس

دریائے بیاس کے کنارے کوہستانی علاقے میں جس جگہ گرو ہرگوبند پیدا ہوئے تھے۔ وہ بستی ہرگوبند پور کے نام سے مشہور ہے۔ گرو ہرگوبند نے گرو ارجن داس جی کے بعد گوریائی کی گدی پر بیٹھ کر سب سے پہلے دیوان سخانند سے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ گرو ہرگوبند کے چچا گرو پرتھی مل جی نے اپنی الگ گدی قائم کی اور اُن کی گریائی اور کرامتوں نے الگ شہرتِ عظیم حاصل کی اور وہ زیادہ تر درویشی اور گرو بابا نانک کے مسلک پر قائم رہے۔ گرو ہرگوبند اپنے باپ کے قاتل دیوان مذکور کے خلاف تدابیر سوچنے میں مصروف رہے۔ آخرکار کچھ عرصے کے بعد گرو ہرگوبند شاہجہاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ (اس جگہ گرو ہرگوبند کی زبانی مصنف عمدۃ التواریخ نے مندرجہ ذیل اشعار نقل کئے ہیں کہ گرو جی نے ان مدحیہ اشعار میں بادشاہ کو مخاطب کیا کہ)

شاہ جہاں پرور اقلیم بخش — تخت ترازندہ و دیہیم بخش
طلعتِ تو آئینۂ ذاتِ حق — فکرتِ تو حجتِ اثباتِ حق
قوتِ کونین بہ بازوئے تو — گنجِ دو عالم بہ ترازوئے تو
تو چو جم و جام نظر در کفت — تو چو سلیمان و خرد آصفت
شیر شکاری کہ بہ بختِ جواں — کردہ شکاری دل ہمہ آہواں
شیر دل و شیر کش و شیر گیر — تیز رو و زود رس و دیر گیر

پھر عرض کیا کہ بادشاہ گیتی پناہ خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ اُس کا کام تمام رعایا کو خواہ ہندو ہو یا مسلمان سب کو فائدہ پہونچانا اور سب کو امن و امان کے ساتھ رکھنا ہے۔ لہٰذا مظلوموں اور فریادی مسکینوں کی دادرسی حضور کے دربار سے ضرور ہوگی۔ بادشاہ گرو جی کی ان باتوں سے بہت ہی خوش ہوا اور اُن سے تکلیف فرمائی کا سبب دریافت کیا۔ گرو ہرگوبند جی نے (اپنے والد بزرگوار کی تمام داستان کہہ سنائی اور بادشاہ کی خدمت میں ایک تسبیح کہربائی بطور نذر پیش کی۔ بادشاہ نے تمام حال توجہ سے سنا اور تسبیح کی نسبت دریافت کیا کہ

ایسی قیمتی تسبیح جو بادشاہوں کے لائق ہے تمہارے پاس ... کہاں سے آئی۔ گرو ہرگوبندجی نے عرض کیا کہ والد بزرگوار کے پاس بندر سورت سے ایک مرید نے یہ دو تسبیحیں بھجوائی تھیں ایک انہوں نے اپنے پاس رکھی اور دوسری مجھے دی۔ جو مجھے دی تھی وہ میں نے حضور میں پیش کر دی دوسری جو والدصاحب کے پاس رہتی تھی وہ اب ضرور دیوان سنگھانند کے پاس موجود ہوگی۔ پادشاہ نے فوراً دیوان سنگھانند کو گروجی کے حوالے کر دیا اور کہا کہ اب تم کو اختیار ہے اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کرو۔ جب دیوان سنگھانند گروجی کے قبضے میں آگیا تو انہوں نے وہ تسبیح اپنے والد کی اس سے طلب کی اور پادشاہ کے پاس بھجوا دی اور سنگھانند کو ہمراہ لیکر لاہور چلے آئے اور یہاں لاکر کوتوالی کے چبوترے پر دیوان سنگھانند کی گردن اڑا دی۔ دلالہ سوہن لال یہانتک پہونچکر کہتے ہیں کہ،

"درزماں تحریر ایں تاریخ درمکاں مذکور یک چاہ و دھرم سالہ بعضے معتقداں بنا فرمودہ اند۔"

اس کے بعد گرو صاحب فقیرانہ لباس ترک کر کے شاہانہ لباس پہننے لگے اور گھوڑ دوڑ۔ تفنگ بازی۔ نیزہ زنی۔ شکار۔ کشتی لڑنا۔ وغیرہ مشاغل میں مصروف رہنے اور عمدہ عمدہ گھوڑے اپنے پاس رکھنے لگے اور مریدوں سے کہا کہ ہم کو سچا پادشاہ کہا کرو۔ گرو کے معتقدوں اور مریدوں میں ایک شخص پائندہ خان نامی تلونڈی متصل سری ہرگوبند پور کا رہنے والا تھا۔ گروجی نے اس کو ایک سپید رنگ باز۔ ایک گھوڑا اور ایک عمدہ لباس عطا فرمایا اور کہا کہ اس لباس کو پہنکر اور اس گھوڑے پر سوار ہو کر ہر روز ہمارے سامنے آیا کرو۔ پائندہ خان جب گھر پہونچا تو اس کی بیوی نے کہا کہ یہ شاہانہ لباس تجھے زیب نہیں دیتا یہ اپنے داماد عثمان خان کو دیدو۔ پائندہ خان نے کہا کہ گرو نے حکم دیا ہے کہ ہر روز پہنکر ہمارے سامنے آیا کرو میں یہ کسی دوسرے کو نہیں دیسکتا۔ بیوی نہ مانی اور اس نے وہ لباس پائندہ خان کی مرضی کے خلاف اپنے داماد عثمان خان کو دے دیا۔ پائندہ خان کو جب گرو نے اس لباس میں ملبوس نہ دیکھا تو بہت ناراض ہوئے۔ پائندہ خان نے معذرت کی کہ میں بھول گیا تھا۔ لیکن ایک شخص بھائی دُنی چند نے لباس اور باز عثمان خان کے گھر سے برآمد کرا کر گروجی کو پائندہ خان سے مستقل طور پر ناراض کر دیا اور پائندہ خان مردود بارگاہ بن گیا۔ اس کے بعد پائندہ خان دہلی پہونچا اور وہاں اس نے شاہی اہلکاروں تک رسائی حاصل کر کے گرو ہرگوبند کی شکایت کی کہ وہ اپنے آپ کو سچا بادشاہ کہلواتا ہے اور فقیری ترک کر کے شاہی ٹھاٹ جما دیئے ہیں اور فوج فراہم کرنی شروع کر دی ہے

اس کا جلد ہی کچھ انسداد ہونا چاہیئے۔ شاہی اہلکاروں نے پائندہ خان کے ہمراہ ایک دستہ فوج بھیجا۔ پائندہ خان تلونڈی پہونچکر آمادۂ پیکار ہوا۔ اِدھر سے ہرگوبند مع فوج نکلے۔ مقابلہ ہوا پائندہ خان مارا گیا۔ اُس کے بعد بھائی رُونی چند بذکور نے قلعۂ لاہور سے کسی ترکیب کے ساتھ گھوڑے چرا کر گرو صاحب کی خدمت میں پہونچا دیئے۔ گرو صاحب ان سرکاری گھوڑوں کے قبضے میں آجانے سے بہت خوش ہوئے اور اُن کی جنگی قوت میں اضافہ ہوا۔ گُرو ہرگوبند کے چار بیٹے تھے۔ بابا گور دتہ۔ بابا اٹل رآئے۔ انی رائے تیغ بہادر۔

گُرو ہر رائے

گرو ہرگوبند کی وفات کے بعد اُن کا پوتا گُرو ہر رائے ابنِ بابا گور دتہ گدی نشین ہوا۔ بابا گور دتہ کا انتقال باپ کے سامنے ہی ہو چکا تھا۔ گرو ہر رائے کے پاس گھوڑے اور سامان جنگی اور جمعیت فراواں موجود تھی۔ لیکن اُنہوں نے اپنا زیادہ تر وقت عبادت میں گزارا اور کسی جنگی حرکت کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اُن کے دو بیٹے تھے۔ ہرلعل اور ہرکشن۔ گرو ہر رائے کی وفات کے بعد اُن کا بیٹا ہرکشن گدی نشین ہوا۔

گُرو ہر کشن

گُرو ہرکشن نے اپنے پرداد اگُرو ہرگوبند سے بھی زیادہ جنگی سامان اور جنگی جمعیت فراہم کی اور شاہانہ ٹھاٹ جما کر اپنے آپ کو سچا بادشاہ کے لقب سے ملقب کیا اور بادشاہوں کی طرح اپنی سواری کے ساتھ مسلح فوج رکھنے لگے۔ گرو ہرکشن کی اس شان و شوکت کو دیکھ کر اُن کے بڑے بھائی ہرلعل کی آتش حسد مشتعل ہوئی اور اُس نے دہلی جا کر اور امیرانِ شاہی سے ملکر کہا کہ مسندِ گُریائی کا مستحق میں ہوں۔ میرا چھوٹا بھائی ہرکشن از راہ ظلم و تعدی باپ کی گدی کا مالک بن گیا ہے۔ میں اس لئے دار الخلافہ میں حاضر ہوا ہوں کہ میرا حق مجھے دلوایا جائے۔ یعنی مجھ کو گدی نشین بنایا جائے (اس موقع پر لالہ سوہن لال کے الفاظ یہ ہیں)

"بزدر تعدی چار بالش عزت و جاہ سرمدی را گرفتہ است و دریں باب توجہ موجبہ معروف و مبذول شود کہ مسندِ گریائی را بوجود سراسر جود این بندہ رب الودود العزاز ابدی

حاصل شود۔ بعضے معاندان ضلالت عنوان کیفیت صدر معہ دیگر مقدمات ناشالیستہ بگوش پادشاہ رسانیدند"۔

بعض نالایق امیروں نے ہرکل مذکور کی یہ باتیں سن کر اور اُن میں اپنی طرف سے نمک مرچ لگا کر پادشاہ کے گوش گزار کیا۔ پادشاہ نے گرو ہرکشن کو نہایت عزت کے ساتھ بغرض ملاقات دہلی طلب فرمایا اور گرو مذکور کو ہمراہ لانیکے لئے ادب داں آدمی بھیجے۔ گرو ہرکشن دہلی آئے اور اپنے ایک مرید کے یہاں جو شاہی امیروں اور دربار رس لوگوں میں سے تھا قیام پذیر ہوئے۔ اس امیر نے جو گرو کا مرید بھی تھا تمام حال ہرکل کے آنے کا اور استغاثہ دائر کرنے کا بیان کیا۔ پادشاہ کا منشا یہ تھا کہ دونوں بھائیوں میں جو زیادہ قابل اور صاحب کرامت ہو اُس کو مسند نشین کیا جائے۔ گرو ہرکشن اپنے مرید سے تمام حالات سن کر سخت رنجیدہ ہوئے اور اُن کے چیچک نکل آئی۔ مرض دمبدم بڑھتا گیا۔ آخر اسی چیچک کی بیماری میں وہ دہلی میں فوت ہو گئے اور مرتے وقت وصیت کر گئے کہ میرے بعد تیغ بہادر کو گرو بنایا جائے۔

گرو تیغ بہادر

گرو ہرکشن کے بعد تمام سکھ جماعت نے گرو تیغ بہادر کی گریائی تسلیم کر لی۔ گرو تیغ بہادر دوآبہ بسبت جالندھر کے ایک موضع بکالہ میں فروکش تھے جبکہ مکھن شاہ نامی ایک درویش نے سب سے پہلے اُن کو گرو تسلیم کیا اور پھر ہر طرف سے سکھوں کا اجتماع اُن کے گرد ہو گیا۔ اُنہوں نے یہاں قیام مناسب نہ سمجھ کر کوہستانی علاقے کے کسی مقام کو اپنے قیام کے لئے منتخب فرمایا اور وہاں ایک عظیم الشان جمعیت فراہم ہو گئی۔ گرو تیغ بہادر نے پادشاہوں کی طرح کارخانجات اور محکمے بھی قایم کر دیئے اور اپنی ایک خود مختار ریاست قایم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوئے۔ اس عرصے میں جو شخص شاہی مجرم ہوتا اور بغاوت اختیار کرتا وہ سیدھا گرو تیغ بہادر کے پاس پہونچکر اُن کی جمعیت میں شامل ہو جاتا۔ یہ حالت دیر تک قایم نہ رہ سکتی تھی۔ عالمگیر پادشاہ کو اس کا حال معلوم ہوا اور اُس کی خدمت میں رپورٹیں پہونچیں کہ گرو تیغ بہادر ہزاروں ہزار لشکر و سپاہ فراہم کر چکے ہیں اور اگر جلد تدارک نہ ہوا تو پھر علاج قابو کا نہ رہے گا۔ عالمگیر نے یہ سنکر گرو صاحب کو اپنے پاس بلایا اور اُن کو ہمراہ لانے کے لئے آدمی

روانہ کئے۔ گرو صاحب نے اوّل جانے سے انکار کیا۔ لیکن پھر کچھ سوچ سمجھ کر پادشاہ کے پاس جانے پر آمادہ ہو گئے۔ دہلی پہونچے۔ پادشاہ عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کئی ملاقاتوں کے بعد ایک روز پادشاہ نے پوچھا کہ آپ کا نام تیغ بہادر کیوں ہے؟ اور وجہ تسمیہ کیا ہے؟ گرو تیغ بہادر نے عرض کیا کہ مجھ خیر اندیش و عقیدت کیش کا نام دراصل دیغ بہادر (دیگ بہادر) ہے۔ لوگ غلطی سے تیغ بہادر کہنے لگے ہیں اور دیغ بہادر سے مطلب یہ ہے کہ میرے ہمراہ جس قدر آدمی ہوتے ہیں سب میرے ہی دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ پھر پادشاہ نے فرمائش کی کہ کوئی کرامت دکھاؤ۔ تاکہ ہم بھی آپ کے معتقد بن جائیں۔ گرو جی نے کرامت دکھانے سے انکار کیا۔ پادشاہ نے کہا کہ اگر کرامت نہیں دکھاؤ گے تو ہم قید کر دیں گے۔ گرو جی نے کہا کہ مجھے قید میں رہنا پسند ہے۔ لیکن کرامت نہیں دکھاؤں گا۔ عالمگیر نے گرو جی کو قید تو نہیں کیا مگر نظر بند کر دیا اور کہا کہ جب کرامت ظاہر ہوگی نظر بندی سے فوراً رہا اور مستحق نوازشات شاہانہ ہو گے۔ اس نظر بندی کی حالت میں گرو جی مصروفِ عبادت رہتے اور اُن کے مرید اُن کے پاس آزادانہ بلا روک ٹوک آتے جاتے رہتے تھے۔ پادشاہ کی طرف سے بھی گرو جی کی تمام ضروریات بہم پہونچانے کے لئے خدام مامور رہتے اور اہلکارانِ شاہی بھی آپ کی ملاقات کو آتے رہتے تھے۔ مریدوں نے بھی اور اہلکاران شاہی نے بھی گرو جی سے عرض کیا کہ آپ کوئی کرامت دکھا دیجئے۔ مگر گرو جی خاموش تھے اور کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ آخر چند روز کے بعد گرو جی کے پاس خبر پہونچ گئی کہ اُن کا لڑکا اُن کی جگہ متمکن ہو کر پوری طاقت حاصل کر چکا ہے۔ گرو جی نے مریدین کے ہاتھ لڑکے کے پاس خط بھیجا وہاں سے جواب بھی گرو جی کے پاس آگیا جس سے بخوبی مطمئن ہو گئے۔ اس کے بعد ایک روز جبکہ مریدین اور اہلکاران شاہی نے اظہارِ کرامت کے لئے پھر عرض کیا تو گرو جی نے اپنے قلم سے ایک پرچہ کاغذ پر کچھ لکھا اور اُس کو تعویذ بنا کر کہا کہ جس شخص کی گردن پر یہ تعویذ باندھ دو گے اُس پر تیر و تفنگ کا زخم ہرگز کارگر نہ ہوگا۔ سب سے اوّل میں ہی اپنی گردن پر اس کو باندھ کر آزمائش کراتا ہوں چنانچہ انہوں نے اس تعویذ کو اپنی گردن پر باندھا اور کہا کہ تم میں سے جو مشاق شمشیر زن ہو بلا تکلف میری گردن پر تلوار کا بھرپور ہاتھ پوری طاقت سے مارے۔ مجھے قطعاً کوئی ضرر نہ پہونچے گا چنانچہ اُن میں سے کسی ایک نے تلوار کی ضرب لگائی اور گرو جی کی گردن کٹ کر سر الگ جا پڑا۔ اور ہر طرف سے غوغا بلند ہوا کہ بے چارہ فقیر مارا گیا۔ عالمگیر بادشاہ کے پاس جب اس حادثے کی خبر پہونچی تو اُس نے کہا کہ اس کاغذ کے پرچے کو تو دیکھو کہ اُس پر

کیا لکھا ہے۔ چنانچہ اُس پرچے کو کھول کر دیکھا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ "سر دیا سر نہ دیا" یہ دیکھ کر بادشاہ حیران رہ گیا اور شاہجہاں آباد کے ہر صغیر و کبیر کو بے حد ملال ہوا۔ عمدۃ التواریخ کے اس بیان سے عالمگیر تو بے خطا ثابت ہو گیا۔ ہاں خود گروجی پر خودکشی کا الزام ضرور عائد ہوتا ہے۔ سوہن لال صاحب کے اصل الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیے:

"درین ضمن بنا بر معائنۂ کرامات و خوارقِ عادات در خدمت ذات عالی صفات بہر باب گشتہ التماس بے شمار و خواہش بسیار کردند۔ ذات ملکی آیات بر زبان فیض ترجمان آوردند کہ یک رقعہ دستخطی خویش نوشتہ حوالہ ملیسازم بر گردن ہر کس کہ ایں رقعہ را بستہ شود و در جنگ و حرب بر وے ہرگز زخم تیر و تفنگ بر کاری نہ گردد۔ اول برائے امتحان و آزمائش بر گردن خود می بندم باید کہ سپاہی جنگ پیشہ ضرب تیغ بیدریغ بدو رساند۔ امتحانِ صدق و کذب ایں قیل و قال جلوہ نمائش پذیرد۔ ذاتِ گرامی آیات آں رقعہ عنایات لفافہ را بر گردن خود بستہ فرمودند کہ حالا وقت است۔ بے حجابانہ زخم کاری باید رسانید۔ بمجرد رسیدن ضربِ شمشیر سرِ ذاتِ عالی جدا گشت۔ بعدہٗ بادشاہ بر زبان آوردند کہ رقعہ را از گردن ذات والا صفات کشادہ معائنہ باید کرد کہ در آنچہ مرقوم فرمودہ اند۔ ہرگاہ رقعہ را مطالعہ فرمودند در آں رقعہ مسطور بود کہ "سر دیا سر نہ دیا" بادشاہ اصغائے ایں مضمون مقرون حیرت گردید و ہمہ ذکور و اناث ساکنان شاہجہاں آباد را تاسف و تحسر کلی دست بہم داد۔"

گرو گوبند سنگھ

گرو گوبند سنگھ نے جب اپنے باپ گرو تیغ بہادر کے مرنے کا حال سنا تو بے حد غمگین ہوئے پھر اپنے مریدین کی جمعیت فراہم کرنے اور اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے کی تدبیروں میں مصروف ہوئے۔ اسی عرصے میں ایک دکھنی برہمن سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ برہمن نے گروجی کی خواہش دلی کا حال سنکر اُن کو بتایا کہ جگ اور ہوم کے بغیر کامیابی بہت دشوار ہے اور جگ اور ہوم میں روپے کی بہت ضرورت ہے۔ گروجی نے اپنے مریدین کے نام چٹھیاں لکھیں اور ہر طرف سے روپیہ آنا شروع

ہوا۔ گروجی نے برہمن کو بھی ایک تحریر لکھ کر دیدی کہ ہمارے مریدین میں سے جو شخص اس برہمن یا اسکی اولاد کو مال و دولت دے گا وہ بہت ثواب پائے گا اور وہ نجات یافتہ ہوگا۔ برہمن اس طرح روپیہ فراہم ہوجانے اور گروجی کا منشور عام حاصل کر لینے کے بعد بہت خوش اور مطمئن ہوا اور گروجی کو ہمراہ لیکر پہاڑ کی دشوار گزار راہوں کو طے کرتا ہوا اسری نیناد یوی کے مقام پر پہونچکر پاٹھ اور ہوم میں مصروف ہوا۔ برہمن نے وہاں چند روز اپنے طریقے پر عبادت کی۔ ایک روز ہوم کی آگ سے مہیب آواز نکلی اور گروجی بے ہوش اور برہمن غائب۔ گروجی ہوش میں آئے تو ایک غیبی آواز نے اُن کو کچھ ہدایات کیں۔ وہاں سے گروجی واپس آئے اور آکر عبادت میں مصروف ہوئے اور مریدین کو جدید آئین مذہب تعلیم فرمائے اور سکھی مذہب میں جو گرو بابا نانک کے زمانے سے چلا آتا تھا ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔

گرو گوبند سنگھ کے جدید اصول مذہب اس قسم کے تھے، مثلاً اُنہوں نے تمام مریدوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص اپنے سر اور داڑھی اور بدن کے بال ہرگز نہ منڈائے نہ کتروائے۔ تمام مرید سیاہ لباس استعمال کریں گائے کی حفاظت و حرمت کیجائے۔ تمام مریدوں کو چاہیئے کہ مور کے دانت تعویذ کے طور پر اپنے بازوؤں پر باندھیں۔ کوئی مرید حقہ نہ پیئے۔ ہر ایک مرید کو چاہیئے کہ جہاں کسی مخالف مذہب کا آدمی دیکھے اور موقع پائے تو اُسے قتل کردے۔ نہانے کے وقت بھی دستار سر سے نہ اُتارے۔ کسی جانور کو ذبح کر کے نہ کھائے۔ بلکہ جھٹکا کرے۔ نیز گوبند سنگھ نے تلوار کا نام سری صاحب اور بندوق کا نام رام جنگہ مقرر کیا بغرض ہر چیز میں ترمیم و تنسیخ کی اور نئے نئے نام ایجاد کئے اور اپنے مریدوں کا نام سنگھ تجویز کیا۔ (اس کے بعد مصنف عمدۃ التواریخ نے واقعات کو بالکل حذف کر دیا ہے کہ سلسلۂ واقعات نمایاں طور پر منقطع معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اصل مسودہ تاریخ میں سے کسی نے کچھ اوراق نکالدیئے ہوں۔ جو کچھ موجود ہے اُس سے بھی یہ صاف طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ گرو گوبند سنگھ صاحب نے سکھی مذہب کو جو گرو نانک صاحب نے جاری کیا تھا بہت کچھ متغیر اور ہندو مذہب میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور اس کا سبب دکنی برہمن کا اثر تھا جس سے گرو صاحب متاثر ہو چکے تھے۔)

گرو گوبند سنگھ کے دو بڑے بھائی جھجار سنگھ و فتح سنگھ دوآبہ ستلج و جمنا کے مقام چمکور میں شاہی فوج کے مقابلے میں مارے گئے اور گروجی وہاں سے اپنی جان بچا کر فرار ہوگئے۔ یہ موضع چمکور لکھی جنگل کے علاقے میں تھا۔ گروجی ایک زمیندار کے مکان میں چھپ گئے اور کسی کے ہاتھ نہ

آ گئے۔ اس کے بعد گروجی نے پادشاہ عالمگیر کے نام جو اُس زمانے میں اورنگ آباد ملک دکن میں مقیم تھا ایک منظوم خط بھیجا دوسرے مورخوں نے اُس منظوم خط کے اکثر اشعار کو نقل کیا ہے لیکن لالہ سوہن لال صاحب نے اس خط کو نقل نہیں کیا اس خط میں گروجی نے اورنگزیب کے عدل وداد کی خوب تعریف بیان کی تھی) مقام لوہگڈھ میں گروجی کی فوج کا وزیر خان فوجدار سرہند کی فوج سے مقابلہ ہوا وزیر خان نے گروجی کا معہ فوج محاصرہ کر لیا۔ گروجی نے وزیر خان کی تنگ گیری سے عاجز ہو کر وہاں سے بھاگنے کا ارادہ کیا اور موضع ویرو وال کے دو پٹھانوں غنے خان و نبی خان نے گروجی کو لباس بدلوا کر اِس خطرے کے مقام سے نکالا لیکن گروجی اپنے دو خورد سال لڑکوں زور آور سنگھ اور اجیت سنگھ کو ہمراہ نہ لیجا سکے (اس جگہ سوہن لال کے اصل الفاظ یہ ہیں)

"آخر الامر بہ تنگ گیر یہائے وزیر خان قرار بر فرار دادہ دو پسران خورد سالہ کہ زور آور سنگھ و اجیت سنگھ نام داشتند محبوس و اسیر شدند۔ افغانان موضع ویرو وال غنے خان و نبی خان کہ در خدمت فیض درجت اعتقاد ے تمام در سوخے مالا کلام میداشتند دران مقام شہر آشوب ذات عالی صفات را بہ تغیر لباس از آنجا بیرون آوردند"۔

وزیر خان فوجدار سرہند گوروجی کے دونوں لڑکوں کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ سرہند لے آیا اور دیوان چندو لال کے سپرد کیا چندو لال نے ازراہ حماقت یا ازراہ شرارت ایسے نالایق آدمی متعین کئے کہ انہوں نے دونوں صاحبزادوں کو قتل کر دیا (عالمگیر اُس زمانے میں مہمات دکن میں مصروف اور دہلی سے سیکڑوں کوس کے فاصلے پر اورنگ آباد میں مقیم تھا۔ یہ جو کچھ ہوا اس کی ذمہ داری فوجدار سرہند پر عائد ہو سکتی ہے نہ عالمگیر پر) گروجی کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ چند روز میں سرہند کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی چنانچہ سکھوں کے غلبہ کے زمانے میں ایسا ہی ہوا کہ سرہند کو ویران کر دیا گیا ملک میں جا بجا سکھوں کی گدیاں قایم تھیں اور ہر مسند نشین اپنے اپنے علاقے کے سکھوں کا پیر و مرشد اور افسر تھا۔ گروجی نے ان مسند نشینوں کے نام احکام جاری کئے اور ہر ایک مسند نشین سے پانچ پانچ گھوڑے اپنی فوج کی سواری کے لئے طلب کئے۔ مسند نشینوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ سلطنت مغلیہ میں رہتے ہیں اور آپ سلطنت مغلیہ سے سرتابی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ہم اگر گھوڑے بھیجیں گے تو یہ بات پوشیدہ نہ رہ سکے گی اور ہمارا قیام دشوار ہو جائے گا۔ گروجی اس جواب سے سخت ناراض ہوئے اور بہت سے

مسند نشین گروجی کے حکم سے قتل کئے گئے۔ گرو گوبند سنگھ کی جنگی تیاریوں کا حال سنکر پادشاہ عالمگیر نے گروجی کو اپنے پاس دکن میں طلب کیا۔ گروجی شاہی آدمیوں کے ہمراہ یا اُن کی حراست میں دکن کو جارہے تھے کہ راستے میں خبر پہونچی کہ پادشاہ عالمگیر فوت ہوگیا ہے۔ بہادر شاہ ابن عالمگیر سے گرو گوبند سنگھ کی گہری دوستی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد تھے اور بہادر شاہ کا دیوان گروجی کا مُرید تھا لہٰذا بہادر شاہ کے زمانے میں گروجی کو کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہوئی (چونکہ صرف عالمگیر کے حالات کی تحقیق مدنظر ہے۔ لہٰذا آئندہ جو حالات عمدۃ التواریخ میں مذکور و مسطور ہیں اُن کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ لالہ سوہن لال صاحب نے ایک باب میں گرو ہر رائے صاحب مذکور کے بھائی گرو رام رائے کا حال لکھا ہے جو گرو ہر رائے سے عمر میں بڑے تھے وہ حال بھی سُن لیجئے)

گرو رام رائے

گرو رام رائے صاحب ایک مرتبہ اورنگزیب عالمگیر کی ملاقات کے لئے دہلی گئے تو وہاں انہوں نے اپنی کئی کرامتیں عالمگیر کو دکھائیں اور پادشاہ نے اُن کی بہت خاطر مدارات کی اور دہلی کے دوسرے مشائخ و علماء بھی گرو رام رائے سے تکریم و تعظیم کے ساتھ پیش آئے اور عالمگیر نے گرو رام رائے صاحب کو ملک دون متصل کوہستان میں (جو آجکل دہرہ دون کے نام سے مشہور ہے) بطور نذر ایک جاگیر عطا فرمائی۔ گرو رام رائے ایک عرصے تک شاہ میر عرف میاں میر صاحب کے پاس رہے پھر اپنی جاگیر میں جو عالمگیر نے عطا فرمائی تھی مستقل سکونت اختیار کی ؎

(مذکورہ بالا صفحات میں اورنگزیب عالمگیر اور سکھوں کے تعلقات کی نسبت جو کچھ عمدۃ التواریخ میں موجود ہے وہ سب کچھ بطور اختصار آگیا ہے۔ اب قارئین کرام خود فیصلہ کرلیں کہ اورنگزیب سکھوں کے معاملے میں کہاں تک خطاوار ہے یا بالکل بے خطا ہے؟

لاہور کے رسالہ دھرم بیر کا ایک مضمون

(مندرجہ ذیل مضمون ۱۹۱۵ء میں رسالہ دھرم بیر نے شائع کیا تھا)

آج ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ گرو تیغ بہادر جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تمام ملک کو مسلمان

ہونے سے بچالیا۔ ان کی موت کا اصل سبب کیا تھا۔ روایت کہتی ہے کہ کشمیر کے تمام بڑے بڑے پنڈتوں کا ایک ڈیپوٹیشن تیغ بہادر مہاراج کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ اورنگزیب نے ہندوؤں کو تنگ کر رکھا ہے اور اُن کو زبردستی مسلمان کرنے کے لئے حکم دیدیا ہے۔ آپ ہندو دھرم کو بچائیں۔ اس کے جواب میں اُنہوں نے کہا کہ ہم مدد کے لئے تیار ہیں اور ہر طرح کوشش کریں گے کہ ہندو قوم اور ہندو دھرم بچ جائے۔ پنڈتوں کو ہدایت کی کہ وہ دہلی جائیں اور اورنگزیب سے کہیں کہ جبتک ہمارا گرو جو پنجاب میں ہے اُس کو مسلمان نہ کیا جائے گا ہم مسلمان نہ ہوں گے اس کے مسلمان ہونے پر ہم سب مسلمان ہوجائیں گے چنانچہ ہندوؤں نے دہلی میں جاکر اورنگزیب سے یہی الفاظ کہے جو تیغ بہادر سے سُنے تھے۔ اورنگزیب خوشی سے اُچھل پڑا اور تیغ بہادر کی طلبی کا پروانہ جاری کردیا۔ چنانچہ تیغ بہادر نے جب سب کچھ جواب نفی میں دیا تو اُن کو قتل کردیا وغیرہ وغیرہ ؟

اِس روایت کو سُن کر ہر صاحب عقل کے دِل میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کے جوابات حاصل کرنیکے لئے تاریخِ ہند کے اوراق پلٹنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ **سوالات**:۔ (۱) اورنگزیب نے کوئی ایسا حکم دیا کہ تمام ہندوؤں کو مسلمان بنایا جائے۔ اگر اور کسی جگہ کے لئے نہیں تو کیا کشمیر کے لئے کوئی ایسا حکم جاری ہوا۔ (۲) کیا گرو تیغ بہادر کی ایسی شخصیت تھی جو کشمیر کے پنڈتوں کو امداد حاصل کرنے کے لئے پنجاب میں کھینچ لائی (۳) کیا گرو تیغ بہادر صاحب اُن کی مدد کرسکتے تھے (۴) کیا تیغ بہادر صاحب کا چند آدمیوں کو لے کر ہندوستان کے دارالسلطنت میں حاضر ہونا اور بادشاہ سے سخت و سست سوال و جواب کرنا ہندو قوم اور ہندو دھرم کو بچاسکتا تھا (۵) کیا اُن کی قربانی (قتل) سے ہندو قوم کو کوئی فائدہ پہونچایا پہونچ سکتا تھا؟

جوابات:۔ (۱) تمام ہندوستان کی تاریخ کی پڑتال کریں۔ اورنگزیب کے اوّل سے آخر تک حالات پڑھیں اور اس کے عہد کے واقعات کو بغور مطالعہ کریں کہیں نظر نہیں آئے گا کہ اورنگزیب نے کوئی ایسا حکم دیا۔ نہ مسلمان مورخوں نے کہیں ذکر کیا نہ یورپین مورخوں اور سیاحوں نے حتیٰ کہ نکولاس منوچی نے جو شاہجہاں کے زمانے سے شاہ عالم کے زمانے تک مغلیہ دربار میں رہا جس نے اورنگزیب کی چھوٹی سے چھوٹی حرکت کے قلمبند کرنے میں کوتاہی نہیں کی اورنگزیب پنجاب۔ بنگال۔ بہار۔ یو۔ پی اور دکن کے باشندوں کو جبراً مسلمان ہونے کے لئے نہیں کہتا لیکن تعجب ہے کہ وہ کشمیر کے پہاڑوں میں

اس قسم کا جابرانہ حکم جاری کرتا ہے۔ اور پھر اس صورت میں جبکہ آئندہ پیش ہونے والے واقعات بتلاتے ہیں کہ اورنگزیب اور پہاڑی راجاؤں کے تعلقات نہایت اعلیٰ تھے اور ؂ ان راجاؤں کی ہمیشہ مدد کرتا تھا جیسا کہ ہم دوسرے نمبر میں بیان کر چکے ہیں اورنگزیب اگر ہندوؤں کو جبراً مسلمان کرنا چاہتا تھا تو سب سے پہلے ضروری تھا کہ وہ اپنے دربار کے ارکین راجہ جے سنگھ اور مہاراجہ جسونت سنگھ وغیرہ اور ہزاروں اُن راجپوتوں کو جو اس کی فوج میں ملازم تھے مسلمان کرتا لیکن واقعات بتلاتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ جو کچھ وہ کرتا تھا اور ؂ اس نے کیا وہ سب ملک گیری کے لئے کیا۔ مذہبی تعصب یا اشاعتِ اسلام ہرگز ہرگز اُس کی تہ میں کام نہ کرتا تھا ہم اپنے اس دعوے کو کسی دوسرے مضمون میں کبھی ثابت کریں گے۔ پس سکھوں کا یہ کہنا کہ اورنگزیب نے کشمیر کے پنڈتوں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے کوئی حکم جاری کیا تھا بالکل غلط ہے (۲) تیغ بہادر صاحب کی شخصیت کا کشمیر کے باشندوں پر کچھ اثر نہیں تھا۔ اور نہ مذہبی پیری مُریدی کا رشتہ اُن کے ساتھ قائم ہوا تھا پھر کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ہندوؤں کے وہ لوگ جو اپنی قوم کا لیڈنگ دماغ کہے جا سکتے ہیں تیغ بہادر کے پاس آئے (۳) جب تیغ بہادر کے پاس اس قدر جمعیت اور طاقت نہ تھی کہ وہ شہنشاہِ ہندوستان کا مقابلہ کر سکیں تو وہ اُن ہندوؤں کی مدد کیا کر سکتے تھے بلکہ ایسی حالت میں آمادۂ جنگ ہونا سوائے نقصان کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔ (۴ و ۵) تنِ تنہا یا چند آدمیوں کو ساتھ لیکر ہندوستان کے سب سے بڑے بادشاہ کے دربار میں اس غرض سے جانا کہ وہ ہندوؤں کو مسلمان کرنے سے باز آئے اور وہاں سخت لہجہ میں سوال و جواب کرنا ہمارے خیال میں قوم کی خدمت نہیں بلکہ اپنی جان پر آفت لانا ہے اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا اس طریق سے ہندو قوم بچ نہیں سکتی تھی۔ بلکہ اس پر زیادہ سختی کے ہونے کا امکان ہو سکتا تھا؂

مندرجہ بالا روایت کو واقعات کی کسوٹی پر پرکھنے کے لئے صرف چند دلائل پیش کئے گئے ہیں اور وہ بھی ایسے نرم الفاظ میں کہ ان سے بہت سے امور اندھیرے میں رہ گئے ہیں اور اچھی طرح ظاہر نہیں ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے خالصہ بھائی کچھ ایسے ذکی الحس ہیں کہ وہ ذرا سی سچائی سنتے ہی گھبرا جاتے ہیں اور شور مچا دیتے ہیں۔ اِس لئے مشتے نمونہ از خروارے سمجھ کر ناظرین خود نتیجہ پر پہونچنے کی کوشش کریں۔ اب سوال باقی رہ جاتا ہے تیغ بہادر جی مہاراج کیوں قتل کئے گئے اور کیا سبب تھا۔

اس سوال کا جواب ڈھونڈھنے کے لئے ہمیں گرو ہر رائے کے عہد میں جانا پڑے گا۔ گرو ہر رائے جی نے دارا شکوہ کو اُس وقت فوجی امداد دی جبکہ اورنگزیب کی سپاہ اُس کا تعاقب کر رہی تھی۔ سکھوں کی فوج نے شاہی فوج کا مقابلہ کیا اور اُس وقت تک روک رکھا جب تک کہ دارا شکوہ اُس کی زد سے بچ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گرو ہر رائے جی کو اورنگزیب نے دہلی میں طلب کیا لیکن انہوں نے بجائے خود جانیکے اپنے بیٹے رام رائے کو بھیجا۔ رام رائے دہلی پہونچا اور دربار میں حاضر ہوا۔ اورنگزیب کے سامنے ہوتے ہی اطاعت قبول کی اور جاں بخشی کرائی۔ اُس کی واپسی پر اُس کا باپ ناراض ہو گیا اور اُس کو گدی کے حقوق سے محروم کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ سری ہرکشن جی کو اُن کے بعد گرو بنایا گیا لیکن وہ جلد ہی انتقال کر گیا اور گدی کے جانشین گرو تیغ بہادر جی ہوئے۔ رام رائے حق تلفی کو برداشت نہ کر سکا سخت رنجیدہ ہوا اور اُس نے اورنگزیب کی خدمت میں پہونچکر یقین دلانے کی کوشش کی کہ گرو تیغ بہادر بھی گرو ہر گوبند اور گرو ہر رائے کی طرح سلطنتِ مغلیہ کو نقصان پہونچانے کی تیاریاں کر رہا ہے اور شہنشاہ دہلی کا سخت دشمن ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور اورنگزیب کو اپنی صداقت کا یقین دلایا۔ لہٰذا اورنگزیب نے تیغ بہادر جی کی طلبی کا پروانہ جاری کیا۔ یہ حقیقت ہے اس قربانی کی جو تیغ بہادر جی نے کی اور یہ احسان ہے ہندو قوم پر جس سے اُس کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ (ختم ہوا بیان دھرم بیر لاہور کا)

مسٹر پرسرام کا مضمون

مسٹر پرسرام صاحب نے گرو گوبند سنگھ کے متعلق ایک مضمون رسالہ تھیوسافیکل ریویو میں چھپوایا تھا۔ اس مضمون کا اقتباس لکھنؤ کے مشہور ہندو اخبار ہندوستانی نے اپنی ۱۸۔ دسمبر ۱۹۰۱ء کی اشاعت میں درج کیا۔ اخبار ہندوستانی سے ذیل میں وہ اقتباس درج کیا جاتا ہے :-

"سکھوں کے زور شور اور متواتر حملوں نے مسلمانوں کے لئے یہ ایک معقول دلیل پیدا کر دی تھی کہ ایک ایسے شورہ پشت گروہ کے سردار کو گرفتار کر کے تہ تیغ کیا جائے۔ گرو تیغ بہادر کے بعد آپ کے صاحبزادے گرو گوبند سنگھ جانشین ہوئے۔ آپ کا نمبر سکھ فرقے کے گروؤں میں دسواں تھا اور اُن کے بعد یہ سلسلہ ختم بھی ہو گیا۔ آپ کے

زیرِ ہدایت اس جماعت نے اپنی جدوجہد آخری درجے تک پہونچادی تھی اور مذہبی قوم کی حیثیت میں اپنے آپ کو پورے طور پر تبدیل کر دیا تھا۔ گرو گوبند سنگھ چونکہ طرح طرح کے خطرات سے گھرے ہوئے تھے لہٰذا آپ پہاڑوں میں جا کر پناہ گزیں ہوئے اور وہاں آپ پوشیدہ رہ کر شکار اور تیر اندازی میں وقت صرف کرنے لگے اس درمیان میں آپ نے اپنی کارروائیوں پر خوب غور کیا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی سلطنت کو تہ و بالا کر کے اس کی جگہ اپنی نئی سلطنت قایم کریں۔ چونکہ آپ نے بمقام پٹنہ ابتدائی تعلیم وہاں کے ہندو پنڈتوں سے حاصل کی تھی لہٰذا آپ کے دِل پر ہندو مذہب کے خیالات خوب نقش ہو گئے تھے۔ بدیں وجوہات قبل از جدوجہد آپ نے درگا دیوی کی مدد حاصل کرنا چاہی۔ کیونکہ آپ اس دیوی کی خاصکر پرستش کیا کرتے تھے۔ روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ دیوی جی آپ کے سامنے آن موجود ہوئیں اور آپ کے فرقے کو سرسبزی و خوشحالی کی دعا دی۔ کوہستان کے راجاؤں نے آپ سے ہاتھی طلب کئے جن کے دینے سے گرو گوبند سنگھ نے انکار کیا اور یہی مخاصمت کی بنیاد قایم ہوئی۔ کوہستانی راجاؤں نے شہنشاہِ دہلی سے مدد طلب کی۔ گوبند سنگھ نے جب اپنے آپ کو معرضِ خطر میں پایا تو مقام ماچھی واڑہ کو بھاگ گئے اور وہاں سے بجانب مالوہ گئے لیکن وہاں کی شاہی افواج نے آپ کے دو صاحبزادوں کو گرفتار کیا اور آپ کا تعاقب متواتر جاری رکھا۔ آخر بمقام مکتسر آپ کو شکستِ فاش حاصل ہوئی۔ لیکن شاہی فوج یہ خیال کر کے کہ گوبند سنگھ جنگ میں کام آئے اُن کی طرف سے لاپروا ہو کر چلدی بعدازاں اس معرکے سے جان بچا کر آپ نے مالوے کے ایک موضع میں قیام کیا اور وہاں چیلے جمع کرنے شروع کئے۔ اس درمیان میں ۱۱۱۸ھ میں اورنگزیب نے وفات پائی اور گوبند سنگھ کو خوشی حاصل ہوئی۔ اورنگزیب کے لڑکوں میں لڑائی ہوئی اور بہادر شاہ کے مقابلے میں اعظم معہ اپنے دو لڑکوں کے شکست کھا کر مارا گیا۔ سکھوں کے یہاں یہ روایت چلی آتی ہے کہ اس معرکے میں گرو گوبند سنگھ بہادر شاہ کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو شاید یہی وجہ ہے کہ کہاں تو گرو گوبند سنگھ کی

اندیشہ ناک حالت تھی اور کہاں اُن کو بہادر شاہ نے دکن کی فوج میں سردار مقرر کیا یعنی گوبند سنگھ کو بہادر شاہ نے پانچ ہزار سواروں کی سرداری عطا کر کے دکن کی جانب روانہ کیا۔ راستے میں وہ ایک شخص کے ہاتھ سے جس کے باپ کو اُنہوں نے قتل کیا تھا مارے گئے"۔

رائے بہادر کنہیا لال اور مہاتما ستیہ دھاری کے حوالے سے

رائے بہادر کنہیا لال صاحب کی تاریخ پنجاب اس وقت میرے سامنے موجود نہیں ہے لیکن جناب فوق صاحب ایڈیٹر اخبار کشمیری و مصنف کتب متعدد نے اپنے رسالہ موسومہ "تاریخ کا روشن پہلو" میں گرو گوبند سنگھ اور اورنگزیب کے متعلق رائے بہادر کنہیا لال صاحب کی تاریخ اور مہاتما ستیہ دھاری جی کی کتاب موسومہ "مرض تعصب کا علاج" کے حوالوں سے جو مضمون لکھا ہے اُس کو جناب فوق صاحب کی کتاب سے نقل کرتا ہوں۔ و ھو ہٰذا۔

"جب گرو گوبند سنگھ نے پہاڑی راجوں کو سکھوں کی مدد سے مطیع کر لیا تو سکھوں نے ان راجوں کو حد سے زیادہ تنگ کرنا شروع کیا۔ راجگان کوہی نے تنگ آ کر اورنگزیب کو اِن زیادتیوں کی درخواست بھیجی۔ پادشاہ نے زبردست خان صوبہ دار لاہور اور شمس الدین خان صوبہ دار سرہند کو پہاڑی راجگان کی امداد اور اُن کے لوٹے ہوئے مال کے واپس دلانے کے لئے تاکیدی احکام بھیجے۔ چنانچہ انندپور میں جہاں گرو گوبند سنگھ رہا کرتے تھے جنگ عظیم ہوئی۔ سات ماہ کے محاصرہ کے بعد جب سکھ خرچ خوراک سے عاجز ہو گئے تو گرو جی کی والدہ مائی گجری اپنے دو پوتوں کے ہمراہ گرو جی کی اجازت کے بغیر قلعہ سے نکل کر اور کئی صعوبتیں اُٹھا کر سرہند پہونچی جہاں اپنے ایک ہندو معتقد کے ہاں قیام پذیر ہوئی۔ میزبان نے دو دن تک تو اس راز کو پوشیدہ رکھا۔ آخر اس پر طمع غالب آئی اور اُس نے اشتہاری انعام کے لالچ سے صوبہ سرہند کے دیوان کلجس رائے کے پاس جا کر گرو جی کی والدہ اور اُن کے دو فرزندوں کی موجودگی کی اطلاع کر دی۔ دیوان کلجس رائے نے اپنے نائب دیوان سچانند کھتری کو اُن کی گرفتاری پر مامور کیا۔ چنانچہ دونوں معصوم بچے اور گرو جی کی والدہ گرفتار ہو کر صوبہ دار سرہند کے حضور میں پیش ہوئے۔ اب یہاں جو سوال و جواب صوبہ دار اور اُس کے دیوان اور نائب دیوان میں ہوئے ہیں وہ رائے بہادر

کنہیا لال کی تاریخ صفحہ ۸۰ میں اس طرح ہیں :-

"دیوان کلمچس رائے نے کہا یہ لڑکے گرو گوبند سنگھ کے ہیں جو روز روشن میں رہزنی کرتا اور بادشاہ سے باغی ہو کر خود بادشاہ بننے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس لئے ان کو قتل کر دینا ہی بہتر ہے۔ نواب سرہند نے کہا۔ گنہگار گرو گوبند سنگھ ہے اس کے معصوم بچوں نے کوئی قصور نہیں کیا۔ نہ وہ مجرم ہیں نہ ان کی دادی۔ نہ ان کے قتل کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ میں ان کے قتل کا حکم ہرگز نہیں دے سکتا۔ البتہ جب تک گرو گوبند سنگھ کا معاملہ طے نہ ہو جائے ان کو قید میں رکھنا انسب ہے"۔

دوسرے ہندو مصنف مہاتما ستیہ دھاری جی "مرض تعصب کا علاج" میں لکھتے ہیں

"نواب شیر محمد خاں نائب ناظم مالیر کوٹلہ بھی اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان معصوم بچوں کا کیا گناہ ہے۔ جو کچھ کیا ہے ان کے باپ نے کیا ہے نیز نابالغ بچوں کا قتل خلاف شرع ہے۔ (پھر لکھا ہے کہ) گنگا رام نمک حرام رسوئیے کی احسان فراموشی اور دیوان سچانند کھتری کی مخالفانہ رائے نے ان معصوموں کے قتل کا حکم صادر کرا دیا"۔ (آئندہ کے حالات اس طرح لکھتے ہیں کہ)

آنند پور کے محاصرے میں جو چیت سمت ۱۷۶۱ بکرمی میں ہوا جب گرو جی بہت تنگ ہوئے۔ ان کی والدہ بھی اپنے دو پوتے لیکر اور جان بچا کر بھاگ گئیں۔ اور سکھ بھی ایک ایک کر کے فرار ہونے لگے تو گرو جی بھی قلعہ چھوڑ کر باہر آ گئے۔ جمکور میں ان کے دو صاحبزادے جو ان کے ساتھ ہی تھے دشمن کی تلوار کی نذر ہو گئے۔ اور بھی بہت سا نقصان ہوا۔ آپ رات کو موقع پا کر نکل گئے اور جنگلوں اور جھاڑیوں میں اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے قصبہ ماچھی واڑہ میں پہونچ گئے۔ یہاں غنی خاں اور نبی خاں دو پٹھان تھے اور آپ کے ملنے والوں میں تھے۔ انہوں نے پہچان لیا۔ اگر وہ چاہتے تو آپ کو گرفتار کر کے بیش قرار انعام کے مستحق ہو سکتے تھے لیکن دونوں بھائیوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کو پناہ دینا موت کو دعوت دینا ہے۔ کئی دن تک اپنا مہمان رکھا۔ جب ان کو راز کے افشا ہونے کا خطرہ ہوا۔ تو انہوں نے گرو جی کو موضع بہلول پور میں قاضی پیر محمد کے پاس پہونچایا۔ گرو جی نے فارسی زبان قاضی مذکور سے پڑھی تھی اور اس لحاظ سے وہ ان کے استاد بھی تھے۔ استاد نے شاگرد کو اماں تو دی لیکن وہ اس لئے خائف تھا کہ صوبہ دار سرہند کی

فوج جابجا گروجی کی تلاش میں پھر رہی ہے۔ اگر یہ راز فاش ہوگیا تو میرے املاک بھی ضبط ہو جائیں گے اور میری جان بھی سلامت نہ رہے گی۔ اِس لئے اُس نے ایک دن گروجی سے کہا کہ آپ اپنی ظاہری صورت بدل کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا شروع کر دیں ورنہ آپ بھی گرفتار ہو جائیں گے اور میری آبرو بھی برباد ہوگی۔ قاضی جی کے کہنے سے گروجی نے اپنے سر کے بال جو اونچے کئے ہوئے تھے نیچے کر لئے اور سیاہ لباس پہنکر حاجیوں اور سندھی درویشوں کی سی صورت بنالی۔ گروجی کے ہمراہ چار اور اُن کے جان نثار تھے۔ اُن میں دو تو مسلمان ہی تھے اور دو سکھ تھے۔ اُن دونوں سکھوں کو بھی مسلمانوں کا بھیس اختیار کرنا پڑا۔ غرض اس طریق سے بہ تبدیل لباس ان کو مالوے میں بھیجا گیا۔ غنی خاں اور نبی خان بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں جو کوئی پوچھتا کہ کون بزرگ ہیں تو غنی خان کہتا کہ اُچ شریف کے پیر صاحب اور ہمارے مُرشد ہیں۔

گرو گوبند سنگھ نے آخر تنگ آکر اورنگزیب عالمگیر کے نام ایک منظوم خط فارسی زبان میں لکھا۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ "میرے لختِ جگر قتل ہو چکے ہیں کوئی جگہ پناہ و امان کی نہیں جہاں بیٹھکر میں اپنے معبود کی عبادت کروں۔ بادشاہی فوج میرے قتل کی درپے ہے اور گاؤں گاؤں میری تلاش ہو رہی ہے اگر بادشاہ میرے خون سے درگزرے تو آئندہ اطاعت گزاری سے انحراف نہ ہوگا اور اگر میرے قتل ہی کا ارادہ ہے تو ایک فقیر کے قتل میں سوائے بدنامی کے کیا حاصل ہوگا"۔ بادشاہ نے اس منظوم عرضداشت یا خط کا جواب کیا دیا؟ تاریخ پنجاب کا ہندو مصنف رائے بہادر کنہیا لال صفحہ ۵۴ میں لکھتا ہے کہ "جب وہ عرضی بادشاہ کے گوش گزار ہوئی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اگر گوبند سنگھ فقیروں کی طرح رہے اور غارتگری اور کشت و خون سے باز آئے تو کوئی اس کا مزاحم نہ ہو وہ جہاں چاہے سکونت رکھے"۔ مہاشہ ستیہ دھاری جی اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ:۔

"گروجی کو اپنے خط کا جواب موضع ساتو کی تلونڈی میں ملا۔ بادشاہ کا جواب نہایت معقول تھا جس میں گروجی کے معصوم بچوں کی غلطی پر معافی مانگی گئی تھی اور یہ درج تھا کہ میں نے کُل حاکمانِ پنجاب کے نام فرامین جاری کر دیئے ہیں اور اُمید ہے کہ آئندہ آپ سے کوئی مقابلہ نہیں کرے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پھر گرو صاحب پر بادشاہ کی زندگی میں کبھی فوج کشی نہیں ہوئی"۔

ستیہ دھاری جی ان مذکورہ سطور کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

"اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان لڑائیوں کی وجہ مذہبی تفریق نہ تھی۔ بلکہ کوئی غلط فہمی یا ذاتی اغراض تھیں"۔

ایک نومسلم مصنف و ایڈیٹر گرو گوبند سنگھ کے بچوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

"چونکہ دیوان سچانند نے گروجی کے لڑکوں کو مروا دیا تھا اس میں اسلام یا بادشاہ کا کوئی قصور نہ تھا اور نہ بادشاہ کا اس قسم کا کوئی حکم تھا۔ اورنگزیب نے اسی بات پر نواب سرہند کو معزول کر دیا تھا"۔

(ختم ہوا انتخاب فوق صاحب کی کتاب کا)

مہتہ آنند کشور جی کی رائے

مہتہ آنند کشور جی اپنی کتاب سوانحعمری گرو گوبند سنگھ کے صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ

"اگر جنگ مذہب کے لئے ہوتی تو گرو گوبند سنگھ جی کے خلاف پہاڑی راجاؤں نے کیوں جنگ کی؟ سید بدھو شاہ فقیر گرو مہاراج کا نہایت رفیق دوست تھا۔ اس نے پہاڑی راجگان کی جنگ میں گرو مہاراج کو امداد دی تھی۔ اسی امداد دینے کے جرم میں عثمان خان نے اسے قتل کر ڈالا تھا۔ کالے خان۔ نظامت خان۔ حیات خان وغیرہ مسلمان سردار معہ پانسو مسلمانوں کے گرو گوبند سنگھ کے پاس ملازم تھے یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہندو مسلمانوں کے مابین مذہبی جھگڑے تھے ہرگز نہیں"۔

باب چہارم

اورنگزیب کے مذہبی تعصب کی حقیقت

گزشتہ ابواب میں جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے اس سے اس بات کا کافی ثبوت بہم پہونچ جاتا ہے

کہ اورنگزیب عالمگیر نے اختلافِ مذہب کی وجہ سے کسی کو نقصان نہیں پہونچایا اور اس کو بے جا تعصب مذہب سے متہم کرنا سراسر بہتان بندی و افترا پردازی ہے۔ لیکن اِس باب میں اُن ذی علم و بالغ نظر اور منصف مزاج ہندوؤں کے اقوال درج کئے جاتے ہیں جنھوں نے صاف اور واضح الفاظ میں اورنگزیب کو مذہبی تعصب سے بری و بے تعلق بتایا اور غیر متعصب و منصف مزاج ثابت کیا ہے

مہتہ جیمنی جی صاحب بی۔ اے کی گواہی

مہتہ جیمنی جی صاحب بی۔ اے ایک ہندو عالم ہیں۔ جن کے مضامین ہندے ماترم وغیرہ میں ویدک پرچارک کے عنوان سے نکلتے رہتے ہیں۔ اُنہوں نے عالمگیر کے متعلق ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس میں ارقام فرماتے ہیں :۔

"اورنگزیب اپنے زمانے میں ایک نمونے کا بادشاہ ہو گزرا ہے۔ وہ امور سلطنت میں مذہبی تعصب سے بری تھا اور اگر اس کی زندگی اور نقشِ قدم پر اس کے لڑکے بھی چل سکتے تو ہند کی عنان حکومت خاندان مغلیہ کے ہاتھ سے نہ نکلتی۔"

ڈاکٹر سرپی سی رائے صاحب کا ارشاد

ڈاکٹر سر پی۔ سی۔ رائے صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"ہندوؤں کے ساتھ اورنگزیب کی متہمہ تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے گئے ہیں۔ لیکن اُس کے عہد حکومت میں بقول مورخ الفنسٹن ایسا کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ کسی ایک ہندو نے بھی مذہب کی خاطر سزائے جان و مال یا قید برداشت کی ہو۔ یا کسی شخص سے اُس کے آبائی طریق پر کھلم کھلا پرستش کے لئے بازپرس کی گئی ہو۔"

مہتہ آنند کشور جی کا بیان

جناب مہتہ صاحب ممدوح اپنی کتاب گرو گوبند سنگھ جی کے صفحہ ۱۰۵ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"جنوبی ہند میں صرف گول کنڈہ اور بیجا پور دو خود مختار اسلامی ریاستیں رہ گئی تھیں۔ اورنگزیب تقریباً بیس سال تک ان کو فتح کرنے کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ اورنگزیب نے تخت نشین ہوتے ہی اپنا مقصد یہ بنا لیا تھا کہ وہ ان دونوں ریاستوں کو فتح کر کے تمام ہندوستان پر حکومت کرے۔ اس سے بھی صاف عیاں ہے کہ اس زمانے میں مذہبی تفرقات نہ تھے۔ اگر مذہبی تنازعات ہوتے تو کیا اورنگزیب تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلا کام اسلامی ریاستوں کو تباہ کرنے کا کرتا؟"

رائے گنیشی لال صاحب کی گواہی

رائے گنیشی لال صاحب ولد رائے شونا تھ صاحب رئیس کرانہ ضلع مظفر نگر قوم اگروال مالک اخبار جلوۂ طور میور گزٹ نے ایک کتاب موسومہ آئینۂ اقوام لکھی ہے۔ جو انھی کے مملوکہ مطبع موسومہ سلطان المطابع میں ۱۲۸۲ھ میں چھپی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۸۵ و ۸۶ میں اقوام کھتری کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

"اقوام کھتری پہلے روزگار پیشہ کرتی تھی۔ ایام خلافت عالمگیر بادشاہ میں جانب ملک دکن بہت سے کھتری مارے گئے حضرت بادشاہ نے معاودریافت اس حال کے اور دیکھنے ماتم عورتوں اور سننے رسوم ماتم داری اس قوم کے حکم فرمایا کہ ان سب بیوہ عورتوں کو خاوند دوسرا کر دو اور ایک محضر اقبال اس امر کا تیار کیا کہ اس پر بہت سی قوم ساکنان دہلی نے دستخط ثبت کئے اور بعض نے بہ عذرات پہلے ہو جانے دستخط للو جگدھر کے ثبت نہیں کئے۔ بعد اس کے للو جگدھر نے بہ تعمیل حکم حضرت جہاں پناہ عذرات پیش کئے کہ مقبولِ بارگاہ سلطانی ہوئے۔ اسی وقت سب قوم نے ایک جا ہو کر واسطے اشخاص لکھنے والوں دستخط کے تاوان اس تفصیل سے کہ للو جگدھر کے ڈھائی گھر اور واسطے اشخاص کہ جنہوں نے بلحاظ دستخط نہ ہونے للو جگدھر نے عذر پیش کیا تھا چار گھر اور واسطے نولیسندگان دستخط کے بارہ گھر تجویز کئے اور یہ بھی معروف عالم ہے کہ اس وقت سے حسب الحکم پادشاہ عالم پناہ قوم کھتری پیشہ دلالی کرتے ہیں۔"

مذکورہ بالا عبارت کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا اور بات مہمل سی نظر آتی ہے۔ میں نے اصل عبارت

حرف بحرف نقل کردی ہے۔ اِس سے اتنی بات ضرور سمجھ میں آجاتی ہے۔ کہ سنہ ۱۲۸۶ھ تک مظفرنگر کے ضلع (جو دہلی کے بالکل قریب ہے) کے ہندو عالمگیر اورنگزیب کا نام کس عزت وعظمت کے ساتھ لیتے تھے اور اُن کے دلوں میں کوئی عداوت عالمگیر کے متعلق نہیں تھی۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ عالمگیر نے بیوہ عورتوں کے حال پر رحم کرکے ایسی کوشش کی تھی کہ بیوہ عورتوں کا نکاح ثانی یعنی دوسری نئی شادی ہوجائے لیکن کھتریوں نے اس کو نہ مانا اور عالمگیر نے اُن کا عذر قبول کرکے کوئی اصرار نہیں کیا۔ اس لئے کہ مذہبی وقومی مراسم کو اُس مذہب کے ماننے والوں کی رضامندی کے بغیر موقوف وبرطرف کرنا نہیں چاہا۔"

منشی حکم چند صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی شہادت

منشی حکم چند صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بندوبست نے سنہ ۱۸۸۴ء میں ضلع ملتان کی تاریخ لکھ کر چھپوائی ہے۔ وہ اپنی اس تاریخ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

"اورنگزیب نے مصر کلیانداس کے نام مندر طوطلامائی کے لئے جو شہر ملتان میں اندرون حرم دروازہ واقع ہے ننّو روپے کا وظیفہ مقرر فرمایا تھا۔"

سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا اسی اورنگزیب کو جو ایک ہندو پجاری کے نام ہندوؤں کے مندر کی خدمت وخبرگیری کے لئے ننّو روپے ماہانہ کا وظیفہ مقرر کرتا ہے مذہبی تعصب اور مندر شکنی سے متہم کیا جارہا ہے۔"

تاریخ ضلع حصار کا اقتباس

ضلع حصار کی ایک قلمی تاریخ مولانا مرحوم کے کتب خانے میں موجود ہے جس کا انداز بیان اور اسلوب ترتیب بہت کچھ اضلاع کے گزیٹیر سے مشابہ ہے اور کسی اہلکار یعنی گورنمنٹ انگریزی کے کسی عہدیدار کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کسی ہندو ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ مگر چونکہ مندرجۂ ذیل عبارت میں ایک ایسے شوالہ کا تذکرہ ہے جس کی بابت آج تک بھی تحقیق وتفتیش ممکن ہے لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ مذکورۂ بالا تاریخ ملتان کے بعد تاریخ ضلع حصار کا اقتباس بھی درج

کرودل:۔

"مقام ہانسی ضلع حصار میں ایک مشہور گسائیں بادا مگھناتھ پوری کی سمادھ اور شوالہ نہر کے کنارے شہر سے جانب غرب اکبر بادشاہ کے زمانے کا بنا ہوا موجود ہے۔ اس سمادھ اور شوالے کے نام عالمگیر کی طرف سے اراضیات معافی کا فرمان گسائیں مذکور کے چیلوں کو عطا ہوا تھا اور وہ اراضیات ۱۸۵۲ء تک معاف لطور جاگیر رہیں ۱۸۵۲ء میں گورنمنٹ انگریزی نے ضبط کر کے ان پر مال گزاری تشخیص کر دی"۔

بابا ملوک داس کا خاندان

قصبہ کٹرہ کے محلہ بھگت میں ایک خاندان ہے جو بابا ملوک داس کی اولاد ہے۔ بابا ملوک داس ہندوؤں کے فرقہ مہنت سے تعلق رکھتے تھے۔ عالمگیر کو ان کے کشف و کرامات کا حال معلوم ہوا تو ان کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا چنانچہ بابا صاحب ممدوح کو بلوایا۔ بابا ملوک داس نے اپنے اشعار ہندی بھاشا کے سنائے۔ عالمگیر سن کر بہت خوش ہوا اور موضع سراتھو بابا ملوک داس کو جاگیر میں عطا کیا۔ عالمگیر کا وہ فرمان بابا ملوک داس کی اولاد کے پاس غالباً اب تک موجود ہے۔ جاگیر جو بادشاہ نے عطا کی تھی اُس کا بہت سا حصہ جانشینوں نے فروخت کر دیا۔ ایک حصہ ابھی تک باقی ہے۔ بابا ملوک داس کا انتقال سمت ۱۷۳۹ بکرمی میں ہوا۔ بابا ملوک داس کی گدی کے دسویں جانشین اجودھیا پرشاد تھے اور گیارہویں اُن کے بیٹے کشن پرشاد تھے۔ اس خاندان میں اب تک پیغمبر اسلامؐ اور صحابہ کرامؓ کی تعظیم و تکریم مدِ نظر رکھی جاتی ہے۔ (دیکھو تاریخ کٹرہ مانکپور صفحہ ۱۳۷ و ۱۳۸)

تاریخ بلرام پور کا ایک واقعہ

اورنگزیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں راجہ چھتر سنگھ زمیندار بلرام پور نے ایک شاہی عامل دگلکٹر ضلع) مسمی سید واجد علی کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ کا حال بادشاہ عالمگیر کو معلوم ہوا عند التحقیق چونکہ خطا عامل کی معلوم ہوئی۔ لہٰذا عالمگیر نے کچھ نہ کہا اور چھتر سنگھ کو کسی قسم کی سزا نہیں دی گئی۔ (تاریخ بلرام پور صفحہ ۲۶ و ۲۷)

اورنگزیب کی بیوی

عالمگیر دوسرے ہندوؤں کو کیا مسلمان بناتا۔ اُس نے تو خود اپنی بیوی کو بھی مذہب کے معاملہ میں آزاد رکھا۔ شہزادہ معظم کی ماں جو راجپوت اور ہندو دھرم کی پابند تھی پادشاہ نے اُس کو کبھی مجبور نہیں کیا کہ اپنے آباؤ اجداد کے عقائد میں تبدیلی پیدا کرے۔ (سوانح عمری اورنگزیب مصنفہ اے۔ ڈی۔ بی۔ اے)

متھرا مل بنیہ

کوڑہ جہان آباد میں متھرا مل بنیہ نے عالمگیر اورنگزیب کی ضیافت کی اور عالمگیر نے لالہ جی کی ضیافت بخوشی قبول فرمائی اور متھرا مل کے گھر مہمان کی حیثیت سے جانے میں مطلق تامل نہیں کیا۔ متھرا مل نے اپنی اس عزت افزائی کی یادگار میں ایک باغ تعمیر و نصب کرایا۔ وہ باغ آجتک اورنگزیب کی بے تعصبی اور ہندو مسلم تعلقات کی صحیح ترجمانی کے لئے موجود ہے۔ جس کا جی چاہے کوڑہ جہان آباد میں جاکر اس باغ کی سیر کر آئے۔

اوپر صرف چند حوالہ جات نہایت سرسری طور پر درج کردیئے گئے ہیں۔ اگر ذرا تجسس اور محنت سے کام لیا جائے تو اس قسم کے ہزارہا واقعات فراہم کئے جاسکتے ہیں۔ جو ناقابل تردید بھی ہوں گے لیکن میں اثبات مدعا کے لئے اسی کو کافی سمجھ کر زیر نظر مضمون کے ایک اور پہلو پر بھی عنوان ذیل کے ماتحت روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ پہلو یہ ہے کہ عہد عالمگیری میں بہت ہی کم ہندوؤں نے اسلام قبول کیا اور ہندوستان کے موجودہ نومسلم خاندانوں کی تحقیق و تفتیش سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ تعداد نومسلموں کی عہد اکبری میں موجود ہوئی ہے۔ جوالا پور ضلع سہارنپور کے راؤ۔ ضلع فتحپور کے گوتم۔ ضلع متھرا و آگرہ کے کثیر التعداد راجپوت خاندان جو ملکانوں کے نام سے مشہور ہیں سب نے عہد اکبری میں اسلام قبول کیا ہے۔ یہ لوگ اورنگزیب کے زمانے سے بہت پہلے مسلمان ہوچکے تھے اور اورنگزیب کے زمانے میں اس طرح کوئی علاقہ یا قصبہ یا گاؤں یا قوم یا قبیلہ اپنا ہندو مذہب چھوڑ کر

اسلام میں داخل نہیں ہوا۔ اور ہندو و مسلمان سب کو یہ بات تسلیم ہے کہ اکبر مذہب کے معاملے میں حد۔۔ سے زیادہ روادار اور بے تعصب واقع ہوا تھا۔ اس کو خود اپنے مذہب اسلام سے بھی کوئی محبت نہ تھی۔"

عہدِ عالمگیری کے نو مسلم

اورنگزیب کے زمانے میں جو چند اشخاص مسلمان ہوئے اُن میں ایک مہاراجہ راج سنگھ کچھواہہ کا پوتا پرسوتم سنگھ تھا۔ علاقہ بہار کا ایک راجہ جو ۳ سنہ جلوس عالمگیری میں فوت ہوا اور جس کا نام بہروز تھا مسلمان ہو گیا تھا۔ اُس کے دادا کا نام راجہ سنگرام تھا۔ راجہ پہاڑ سنگھ ابن راجہ جگت سنگھ ابن راجہ باسو جو کانگڑے کے راجہ روپ سنگھ کا حقیقی بھائی تھا اور جو مہم بدخشان میں اپنے باپ جگت سنگھ کے ہمراہ شہنشاہِ ہند کی طرف سے کارہائے نمایاں دکھا چکا تھا۔ ۳ سنہ جلوس عالمگیری میں مسلمان ہو گیا اور اُس کو مرید خان کا خطاب دیا گیا۔ راجہ رتن سنگھ چندراوت ابن راجہ گوپال سنگھ چندراوت ۲۲ سنہ جلوس عالمگیری میں مسلمان ہو گیا اور اس کا نام اسلام خان رکھا گیا۔ یہ شہر اجین پر قابض و متصرف تھا۔ امانت خان صوبہ دار مالوہ سے اس کی ناچاقی ہو گئی اور اسلام خان موصوف چالیس ہزار فوج لیکر اُس کے مقابلہ کو نکلا اور سارنگپور کے نزدیک لڑائی میں مارا گیا۔ آخر دم تک اسلام پر صدق دل سے قائم اور راسخ العقیدہ مسلمان رہا۔ راجہ بھولا ناتھ ابن راجہ چھتر مل بھی ۲۲ سنہ جلوس عالمگیری میں مسلمان ہوا اور اس کا نام ہدایت کیش رکھا گیا۔ اس کا باپ راجہ چھتر مل کل ممالک محروسۂ عالمگیری کے وقائع نگاروں کا افسر و مہتمم تھا۔ کشتوار کا راجپوت راجہ شاہ فرید الدین کی کرامات دیکھ کر عہدِ عالمگیری میں مسلمان ہوا۔ انھوجی داماد سیواجی نے بخوشی اسلام قبول کیا۔ اس کا اسلامی نام محمد قلی خان رکھا گیا۔ یہ پہلے ہی سے دربارِ عالمگیری میں سہ ہزاری منصب رکھتا تھا۔ نہایت عمدگی سے شاہی خدمات بجا لاتا رہا ہے۔ ۴۳ سنہ میں اندراخ کا راجہ مسلمان ہوا اور اُس کا نام عاقبت محمود خان رکھا گیا۔ وہ مرتے دم تک مسلمان رہا۔"

مذکورۂ بالا نو مسلموں کے علاوہ شاید اور بھی چند نو مسلموں کا سراغ چل جائے گا جو اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں مسلمان ہوئے مثلاً خود میرے وطن نجیب آباد کے محلہ رمپورہ میں عہدِ عالمگیری کا ایک نو مسلم مدفون ہے۔ نجیب آباد کا محلہ رمپورہ نجیب آباد کی آبادی سے پیشتر مالن ندی کے بائیں کنارے

ایک گاؤں یا چھوٹا سا قصبہ تھا جس کا نام رام پور تھا اور بعد میں وہ رام پور ہزاری کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ اس رام پور ہزاری کا زمیندار اور رئیس ایک جاٹ خاندان تھا جس کی زمینداری و ریاست میں اور بھی دو تین گاؤں شامل تھے۔ جن میں ایک موضع چوگانوہ بھی جو نجیب آباد سے جانب شمال اب بھی موجود ہے شامل تھا۔ یہ موضع چوگانوہ رام پور ہزاری کے جاٹ زمیندار نے اکبر کے زمانے میں صرف اسّی روپے میں خریدا تھا جس کا بیعنامہ اُسی زمانے کا لکھا ہوا اس خاندان میں چند سال گزشتہ تک موجود تھا۔ اس بیعنامے کی رجسٹری قاضی عزیز کے اجلاس میں ہوئی تھی اور بیعنامے کی فارسی عبارت پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیس ۲۰ روپے نقد اور ساٹھ ۶۰ روپے ایک ہمیل کی شکل میں ادا کئے گئے تھے اس جاٹ خاندان کا ایک رئیس مکٹ رائے جو عہد عالمگیری میں بزرگ خاندان اور اپنے علاقے کا رئیس تھا مسلمان ہو گیا اور اُس کا نام شیخ عبداللہ رکھا گیا۔ اِس شیخ عبداللہ پر اُس کے مسلمان ہو جانے کے بعد لبی گوروہ کے ہندوؤں نے چڑھائی کی اور اُس کے علاقے کو چھین کر اُسے آوارہ وطن کر دیا۔ شیخ عبداللہ نے اس آوارگی و پریشانی کے بعد دلّی پہونچکر اپنی مظلومی کی داستان اہلکاران سلطنت کے گوش گزار کی۔ وہاں سے ایک ذمہ دار افسر معہ ایک دستۂ فوج متعین ہوا۔ اُس افسر نے یہاں آکر اور تحقیقات کے بعد شیخ عبداللہ کو بیگناہ پاکر لبی گوروہ کے مفسدوں کی قرار واقعی گوشمالی کی اور شیخ عبداللہ کو اُس کی جگہ پر بحال کر دیا۔ ساہن پور کے جاٹ رئیس کو بھی ہدایت اور تنبیہہ کی گئی کہ مکٹ رائے عرف شیخ عبداللہ پر آئندہ لبی گوروہ کے مفسد زیادتی نہ کریں۔ نیز جلال آباد کے مسلمان عامل کو معزول کر کے اُس پر جرمانہ کیا گیا کہ اُس نے رئیس ساہن پور کی ترغیب سے لبی گوروہ کے مفسدین کی بیجا طرفداری کر کے مکٹ رائے عرف شیخ عبداللہ پر کیوں ظلم ہونے دیا۔ یہ تمام داستان اُس زمانے کے اصل کاغذات اور فرامین شاہی سے ثابت ہے اور مکٹ رائے عرف شیخ عبداللہ کی قبر محلہ رمپورہ کے مذکورہ جاٹ خاندان کے بقیہ لوگوں کے مکانات میں سے کسی مکان میں غالباً ابتک موجود ہے اور سنا گیا ہے کہ اُس پر غلاف بھی ڈالا جاتا اور چراغ بھی جلایا جاتا ہے ۔؎

اب سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ عالمگیر کے زمانے میں جو مذکورہ راجہ مسلمان ہوئے وہ ہندوؤں میں کم حیثیت بھی نہ تھے۔ بزدل اور ڈرپوک بھی نہ تھے۔ بلکہ ذی عزت۔ باغیرت اور بہادر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ پہلے بھی راجہ اور معزز سردار تھے اور مسلمان ہونے کے بعد بھی۔

اُسی حالت میں رہے۔ پھر ان سب راجاؤں کے خاندان والے اور رشتہ دار لوگ اپنے اسی ہندو مذہب پر قایم رہے۔ اگر ان چند راجاؤں کو ڈرا کر یا لالچ دیکر عالمگیر نے مسلمان کیا تھا تو اُن کے باقی رشتہ داروں کو کیوں لالچ اور خوف کے ذریعے سے مسلمان نہیں بنایا گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان دوسرے اشخاص کو بھی خوف اور لالچ دیا گیا۔ لیکن اُنہوں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا اور اپنے آبائی مذہب پر قایم رہے تو یہ بتانا اور ثابت کرنا پڑے گا کہ عالمگیر نے اُن کے اس انکار کے بعد اُن کو کوئی تکلیف کیوں نہیں پہونچائی۔ اگر وہ تکلیف پہونچانے کی قدرت نہیں رکھتا تھا تو پھر یہ مسلمان ہونے والے ایسے کمزور کے ڈرانے اور لالچ دینے سے کیوں فریب میں آ گئے۔ یا پھر ماننا پڑے گا کہ ہندوؤں میں راجہ اور اعلیٰ طبقے کے لوگ ہی عموماً سب سے زیادہ بزدل اور ڈرپوک ہوتے تھے جو کسی طرح قرینِ قیاس نہیں۔ اسی سلسلہ میں عقدہ لاینحل بھی سامنے آجاتا ہے کہ ہندوستان میں راجپوت اور چھتری وغیرہ بہادر قومیں ہی عام طور پر نومسلموں میں شامل ہیں۔ برہمنوں اور بنیوں وغیرہ کے مقابلہ میں راجپوتوں۔ جاٹوں اور چھتریوں کا زیادہ مسلمان ہونا خود اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ ہندوستان میں خوف یا لالچ کے ذریعے ہرگز ہرگز کسی کو مسلمان نہیں بنایا گیا۔ جو مسلمان ہوا اپنی خوشی سے مسلمان ہوا۔

عالمگیر اگر کسی کو زبردستی مسلمان کرنا چاہتا تو اُس کے لئے سب سے بہتر سیواجی مرہٹہ کا پوتا ساہوجی تھا۔ جو صرف سات برس کی عمر میں قید ہو کر آیا اور عالمگیر نے اس کی پرورش شہزادوں کی طرح کی اور نصرت جنگ ذوالفقار خان بہادر کو اُس کا اتالیق مقرر کیا اور اسی حالت میں پرورش پا کر وہ جوان ہوا۔ اُس کے مسلمان بنانے کا عالمگیر نے قطعاً ارادہ نہیں کیا اور وہ اپنے آبائی ہندو مذہب پر قایم رہا۔ خود عالمگیر نے اپنے اہتمام سے بہادر جی مرہٹہ کی لڑکی سے اُس کی شادی کی اور یہ شادی ہندو رسم و رواج کے ساتھ ہوئی اور خوب دھوم دھام سے ہوئی۔ یہ بھی سوچنے اور غور کرنے کے قابل بات ہے کہ عالمگیر کے مشہور سپہ سالار مہاراجہ جے سنگھ کچھواہہ کو کس نے مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو مرزا راجہ کہلواتا اور مرزا راجہ ہی کے نام کو اپنے لئے موجبِ فخر سمجھتا تھا۔

مکٹ رائے مذکور کا معاملہ بھی بہت قابلِ غور ہے۔ عالمگیر اس علاقے میں کبھی نہیں آیا۔ پھر ایک مکٹ رائے ہی کیوں انتخاب کیا گیا۔ اگر مکٹ رائے کو عالمگیر کے مسلمان عامل متعینہ جلال آباد نے مسلمان کیا تھا تو اُس بے چارے کو گوروؤں کے ہاتھ سے کیوں لٹنے اور پٹنے دیا۔ پھر مکٹ رائے دشیخ عبداللہ

مسلمانوں کیطرف سے اس سرد مہری کے معائنہ کے بعد بھی آخر عمر تک مسلمان کیوں رہا مسلمان ہونے کے بعد شیخ عبد اللہ کو کوئی جاگیر یا خطاب یا انعام کیوں نہیں ملا؟

بات یہ ہے کہ عالمگیر ہی کے زمانے میں نہیں۔ بلکہ عالمگیر سے پہلے۔ شاہجہاں۔ جہانگیر۔ اکبر اور ہمایوں کے زمانے میں بھی اور اس سے پہلے سلاطین افغانیہ کے زمانے میں بھی اپنی خوشی سے اسلام کو اچھا مذہب سمجھکر ہندو لوگ اسلام قبول کرتے رہے ہیں۔ سب سے بڑھکر یہ کہ عالمگیر سے پہلے بنگالہ اور کشمیر کے خود مختار فرمانرواؤں میں سے بعض نے ہندو مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حالانکہ یہ فرمانروا کسی مسلمان بادشاہ کے ماتحت اور باجگزار بھی نہ تھے۔ آخر ان کو کون سے لالچ اور کس خوف نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ ۱۴۱۴ء میں بنگالہ کا خود مختار راجہ کانس مر گیا تو اس کے بیٹے جٹ مل نے تمام سرداروں کو جمع کیا اور اُن کے سامنے بیان کیا کہ میں اسلام کو سچا مذہب یقین کرتا اور مسلمان ہوتا ہوں۔ اگر تم کو اس حالت میں میرا راجہ ہونا پسند نہ ہو تو میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ میرے چھوٹے بھائی کو راجہ بنا لو مجھکو راجائی سے مذہب زیادہ عزیز ہے۔ یہ سنکر تمام سرداروں نے کہا کہ امور سلطنت میں آپ کے مذہب اور عقیدے کی تبدیلی سے کوئی ہرج واقع نہ ہوگا ہم سب آپ کے مطیع ہیں اور ہمیشہ مطیع رہیں گے۔ آپ شوق سے مسلمان ہو جائیں چنانچہ جٹ مل نے علمائے لکھنوتی کو بلاکر اسلام قبول کیا اور اپنا نام جلال الدین رکھا اور بنگالہ کا کامیاب فرمانروا ہوا۔ اور ہم دُور کیوں جائیں۔ خود اس موجودہ زمانے میں لاہور کے خالد لطیف گابا اور محمد امین ہیرسٹر اور لندن کے لارڈ ہیڈلے وغیرہ کو کونسے خوف اور لالچ نے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ مذہب ایسی چیز ہے جو ہرگز ہرگز خوف اور لالچ سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور آجتک دنیا میں کبھی بھی زبردستی کسی کا مذہب تبدیل نہیں کرایا جا سکا۔ مذہب کا تعلق تو عقیدے اور یقین سے ہے جس پر کسی کا قابو نہیں چل سکتا عقیدے اور یقین کی تبدیلی دلائل سے ہو سکتی ہے نہ کہ زور و ظلم سے۔ اورنگزیب کیسا ہی نالایق اور بے وقوف سہی لیکن اُس سے یہ حماقت ہرگز ہرگز سرزد نہیں ہوئی کہ اُس نے زبردستی کسی ہندو کا مذہب تبدیل کرنے کی نامعقول کوشش کی ہو۔ اورنگزیب کو خود ہندو بھی یہ کہتے ہیں کہ وہ مذہب اسلام کا سخت پابند تھا اور ہندوؤں نے یہ خلاف واقعہ دعوے بھی کیا ہے کہ اورنگزیب نے جو کچھ کیا اسلام کے لئے کیا اور ہدایت اسلامی کے ماتحت کیا مسلمانوں کے نزدیک یہ بات صحیح نہیں اور یہ دعویٰ حقیقت کے

سراسر خلاف ہے۔ لیکن اس کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ اسلام خود اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دین و مذہب کے معاملے میں ہرگز ہرگز کوئی زبردستی نہیں ہو سکتی (لا اکراہ فی الدین) اسلام نے تو محض مذہبی آزادی قایم کرنے کے لئے ہی لڑنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا ہے محض اختلافِ مذہب کی وجہ سے پُرامن رہنے والے بے آزار غیر مسلموں کو قتل کرنے والا احکام اسلامی کے موافق خود مستحقِ قتل ٹھہرتا اور زیرِ قصاص آتا ہے۔ عالمگیر اگر پابند مذہبِ اسلام تھا تو وہ کیسے اسلام کے واضح اور نمایاں احکام کی خلاف ورزی کر سکتا تھا۔ طبقات اکبری تاریخ کی ایک کتاب ہے جو عہدِ اکبری میں تصنیف ہوئی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "سلطان سکندر لودی نے اپنے ایام شہزادگی میں سنا کہ تھانیسر میں ایک تالاب ہے اور ہندو اس کو متبرک سمجھتے ہیں اور اس میں غسل کرنے کو نجاتِ ابدی کا موجب جانتے ہیں نیز یہ کہ وہاں ایک بتخانہ ہے جو ہندوؤں کی عبادت گاہ ہے۔ سکندر لودی نے علماء اسلام سے اس بتخانے کے ڈھا دینے کے لئے فتویٰ طلب کیا۔ علماء نے کہا کہ "ہندوؤں کے قدیم بت خانوں کو آپ ہرگز نہیں ڈھا سکتے اور نہ آپ ہندوؤں کو تالاب میں نہانے سے منع کر سکتے ہیں"۔ شاہزادے نے خشمناک ہو کر خنجر پر ہاتھ ڈالا اور کہا کہ تم کفار کی طرفداری کرتے ہو؟ یہ سنتے ہی سب سے بڑا عالم آگے بڑھا اور اس نے پوری جرأت اور جلال کے ساتھ کہا کہ ہم کفار کی نہیں حق کی طرفداری کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جس کی اسلام نے ہدایت کی ہے۔ ہم کو تعلیم اسلام کی اشاعت اور اظہارِ حق سے کوئی طاقت ہرگز نہیں روک سکتی۔ سکندر لودی یہ سنکر خاموش اور دم بخود رہ گیا اور اپنی غلطی سے بخوبی آگاہ ہو گیا"۔

مذکورہ واقعہ پر غور کرو اور سوچو کہ اسلام اور مسلمان کس طرزِ عمل کے پابند رہے ہیں۔ کتاب موسومہ "تاریخ کا روشن پہلو" کے صفحہ ۲۰ پر اورنگزیب کی نسبت ایک واقعہ درج ہے کہ "جون پور کے ایک برہمن کی ناکتخدا لڑکی سے جون پور کے کسی عامل نے زبردستی نکاح کرنا چاہا۔ برہمن نے اس سے انکار کیا اور بلا توقف عالمگیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادشاہ تک پہونچا اور اصل حال گوش گزار کر دیا۔ بادشاہ نے فوراً دو سانڈنیاں طلب کر کے ایک پر خود سوار ہوا دوسری پر برہمن اور اپنے ایک مشیر کو سوار کیا اور یلغار کرتا ہوا جونپور پہونچا۔ بادشاہ کے اس طرح یکایک پہونچنے سے عامل حیران رہ گیا۔ تحقیق کرنے پر برہمن سچا ثابت ہوا۔ عامل کو سزا دی گئی۔ برہمن کو انعام دو زرِ نقد دیکر خوش

کیا گیا۔ اور اُس نے جہاں چاہا اپنی لڑکی کی شادی اپنی خوشی سے کی"۔

کاش ہمارے زمانے کے ہندوؤں کو اتنی توفیق ملے کہ وہ عالمگیر اورنگزیب کے زمانے کی صحیح حالت کا اندازہ کرنے کے قابل ہوجائیں اور خودغرض لوگوں اور چالاک قوموں کے دیئے ہوئے فریب میں مبتلا رہ کر ہندوستان کی مصیبتوں میں اضافہ کا موجب نہ بنیں اور پرائے شگون کے لیئے اپنی ناک کٹانے سے پرہیز کریں. ہندو دوستوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عالمگیر کے زمانے کا سب سے بڑا شاعر جو ذی علم بھی تھا اور جو عالمگیر کا ہم مذہب اور ہم قوم بھی تھا ہندوؤں کے سب سے زیادہ محبوب اوتار کی مدح و ثنا میں اس طرح رطب اللسان تھا کہ کسی ہندو کو بھی ایسے دلربا انداز میں اپنے اوتار کی مدح و ثنا کی توفیق نہیں ملی اور اورنگزیب نے اس علانیہ تعریف و مدح اور بلند آہنگ ترانے کو سنکر رتی برابر اظہارِ ناخوشی نہیں کیا۔ اور اورنگزیب ناخوش کیوں ہوتا۔ جبکہ اُس کا خود یہ عقیدہ تھا کہ ہندوستان میں بھی خدائے تعالیٰ کے پیغمبر اور ہادی ضرور معبوث ہوئے ہیں۔ اور اس ملک میں بھی خدا کا کلام ضرور نازل ہوا ہے۔ اورنگزیب کے زمانے سے بہت پہلے حضرت خواجہ احمد صاحب مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ بھی علی الاعلان فرما چکے تھے کہ کرشن جی اور رامچندر جی ہندوستان کے پیغمبر تھے۔ اوپر کے اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اورنگزیب کے زمانے میں مرزا بیدل نے ایک مثنوی موسومہ نرگستان لکھی جس کے چند اشعار اس طرح ہیں ؎

بہ عشقِ رام چوں بلبل سرایم | سراپا غنچۂ دل ہا کشایم
چو اندر مدھپوری گوشہ نشینم | گل از باغ و بہارِ او بہ چینم
ندارم آرزوئے غیر در سر | فگندم بار ہا از سر سراسر
دریں عرصہ ہنر از پا فتادہ | سخن را مرتبہ از جا فتادہ
مروت از جہاں برداشتہ رفت | زمانہ طرح جور انداختہ سخت
دلِ من داغ داغ است اندریں دور | کہ کس بر کس نیارد یک نفس غور
ازاں رو گوشۂ بگرفتہ بودم | ز حرفِ نیک و بد وارفتہ بودم
دلی بودے کہ کتھل داس نامی | رفیق و ہم نشیں و ہم کلامی
دلِ بیدل بجوش آمد بیکبار | کہ سازم نظم ذکر شاہ دلدار

زہندوستاں بہ ایراں می نگارم — کہ باشد در جہاں از یادگارم
بہ عشق رام گویم ایں فسانہ — کہ باشد دلربا از ہر ترانہ
بود نامش فروغ مشعل روز — بہر منزل بود نامش دل افروز

ان اشعار کو مولوی محمد الدین صاحب فوق نے اپنی کتاب میں نقل فرما کر لکھا ہے کہ "مرزا بیدل ایک دفعہ متھرا میں گئے. وہاں انہوں نے ایک ہندو بزرگ مہاتما کتھل داس کی تعریف سنی. اُن کے پاس گئے اور ان کی باتوں سے بہت خوش ہوئے. متھرا میں چند دنوں کے لئے گئے تھے. لیکن مہاتما کتھل داس کی صحبتوں نے وہ سرور بخشا کہ زیادہ دنوں قیام کیا اور جبتک رہے ہر روز ان کے پاس جاتے رہے اُس زمانے میں مرزا بیدل کی عمر ساٹھ سال کی تھی سری رام چندر جی کے حالات جب انہوں نے سبق آموز پائے تو نزگستان کے نام سے ایک فارسی کتاب نظم میں لکھی اور اُس میں اپنے رام بھگت ہونے کا ثبوت دیا ہے. متھرا سے آپ اجودھیا میں بھی گئے. نزگستان کے علاوہ آپ نے شاہنامہ کی بحر میں ایک مثنوی بھی لکھی جس کے چند اشعار اس طرح ہیں

نہ بد رام چوں دیگراں بادشاہ — بُد سے مظہر ذاتِ پاکِ الہ
بود نام او کیمیا در جہاں — مس روح را کیمیا زر نہاں
ہمہ وصف در ذاتِ آں ذوالجلال — جلالے و قہارے وہم جمال
جلالش کند محو خود از جلال — ازاں پس نماید سراپا جمال
وگرنہ بسے مشکل افتادہ است — کہ عالم زکف ہوش خود دادہ است
بہ شش دفتر ایں داستاں گفتہ ام — گہرہائے روشن ہمہ سفتہ ام
بنام دل آرام خود گفتہ ام — درِ بے بہا یک بیک سفتہ ام
کزاں ذکر بار آم خود در جہاں — شوم تا ابد خرم و شادماں
چو پرسیدم از عقل فرخندہ فال — کہ سے عقدِ من باز تاریخ سال
گہر سفت آں مرشدِ خاصِ عام — بگفتا زسے نزگستانِ رام
ندارم اُمیدے زکس در جہاں — دریں دور جز ساقیٔ مہرباں
نماند است ورد ما بجز عشق رام — نگویم ازیں بیشتر والسلام

مرزا بیدل کے مذکورہ اشعار اور مذکورہ واقعات کے ذریعے عہدِ عالمگیری کے ہندو مسلم تعلقات اور حکومتِ عالمگیری کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے نہ اس سراسر بہتان اور دروغگوئی کے ذریعے کہ عالمگیر دونوں وقت کھانا اُس وقت کھاتا تھا کہ جب اس قدر تعداد ہندوؤں کی قتل کر لیتا تھا کہ مقتولین کے جنیوؤں کا وزن سوا من یا تین من نہ ہو جائے۔ لعنت اللہ علی الکاذبین ؎

باب پنجم

اورنگزیب کی مندر شکنی

اورنگزیب مظلوم پر ایک یہ بہتان بھی بڑے شد و مد کے ساتھ باندھا گیا ہے کہ اُس کو ہندوؤں کے مندروں یعنی ہندوؤں کے عبادت خانے ڈھانے کا بڑا شوق تھا اور وہ ہندوؤں کے کسی عبادت خانے کو دیکھ نہیں سکتا تھا اور مندروں کو ڈھا کر بہت خوش ہوتا اور اُس کو ثواب کا کام سمجھتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب مندر شکنی کے معاملے میں محمود غزنوی کا مثنیٰ تھا۔ گویا محمود غزنوی کو اورنگزیب سے زیادہ مندر شکنی کا شوق تھا محمود غزنوی کے متعلق اصل حقیقت تو مولانا اکبر شاہ خان صاحب مرحوم کی مشہور آفاق کتاب آئینہ حقیقت نما نے آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر کر کے اُس جھوٹ باندھے ہوئے طلسم کو پاش پاش کر دیا ہے اورنگزیب کے متعلق میں خود ہندو مورخین اور ہندو علماء کی شہادتوں سے صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں اور بلکہ ہندو مورخین کی گواہی کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ ہندوستان کے طول و عرض میں جس قدر بتخانے اور ہندوؤں کے مناور اور شوالے ایسے موجود ہیں جو اورنگزیب کے زمانے سے پہلے کے تعمیر شدہ ہیں اور اورنگزیب کے زمانے میں موجود تھے اور آجتک بھی علی حالہ موجود اور قایم ہیں وہ سب زبانِ حال سے اورنگزیب کی بے گناہی کا اعلان کر رہے ہیں اور جھوٹا اتہام لگانے والوں پر لعنت بھیج رہے ہیں؛

لاہوری دروازے کے متصل اردو کا مندر

قلعۂ دہلی کے لاہوری دروازے کے قریب جینیوں کا ایک مندر جو اردو کا مندر کہلاتا ہے شاہجہاں کے زمانے میں تعمیر ہوا۔ ایک مرتبہ عالمگیر نے اس مندر میں نوبت بجانے کی ممانعت کردی جینیوں نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن نقارہ خود بخود بغیر کسی بجانے والے کے بجتا رہا عالمگیر نے خود اُس کی تحقیق کی اور نوبت بجانے کی اجازت دیدی۔ یہ نوبت اور نقارے والی حکایت جو عوام میں مشہور ہے صحیح ہو یا غلط لیکن شاہی قلعے کے قریب مندر کا شاہجہاں کے زمانے میں تعمیر ہونا اور عالمگیر کے زمانے میں بدستور باقی رہنا اور آجتک اُس کا موجود ہونا تو بدیہی اور یقینی اور تاریخی واقعہ ہے۔ حالانکہ عالمگیر کی مندر شکنی کے شوق کا سب سے پہلے اسی مندر کو نشانہ بننا چاہیئے تھا۔ کیا جھوٹے بہتان باندھنے والے کچھ غور کریں گے؟

علاقۂ سہسرام و قلعۂ رہتاس

سہسرام ہندوستان کے مشہور شہنشاہ شیر شاہ اعظم کا مدفن اور وطن ہے۔ وہاں پٹھانوں اور ان کے بعد مغلوں کی حکومت رہی ہے۔ اورنگزیب عالمگیر کی حکومت بھی مثل دوسرے مقامات کے یہاں قایم تھی۔ اورنگزیب نے وہاں چنڈی دیوی کے مندر کے قریب ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی وہ مندر آجتک بھی موجود ہے۔ سیتا جی کی رسوئی سیتا کنڈ پہاڑ میں موجود ہے۔ اشوک کے کتبے اس کے علاوہ اور بہت سے ہندوؤں کے آثار قدیمہ اس علاقے میں موجود ہیں۔ لیکن نہ عالمگیر نے اُن کو نقصان پہنچایا نہ عالمگیر سے پہلے اور بعد کے مسلمان فرمانرواؤں نے اُن کو مٹایا۔ قلعہ رہتاس جو شیر شاہ اعظم کے زمانے سے لیکر مغلیہ سلطنت کے خاتمہ تک برابر مسلمانوں کے قبضے میں رہا اور وہاں ہمیشہ شاہی فوجدار یا کمشنر موجود رہا۔ اس قلعہ میں ہندوؤں کے قدیم مندر برابر موجود رہے اور آجتک موجود ہیں۔ اگر مسلمان سلاطین یا اورنگزیب عالمگیر ہی مندروں کے ڈھانے کا شوقین ہوتا تو یہ مندر آجتک کیسے موجود رہ سکتے تھے حالانکہ اس قلعے میں عالمگیر نے ایک مسجد بھی بنوائی تھی جو عہد حکومتِ انگریزی میں مسمار ہوئی۔ فتدبروا

مقام پہلودی کے مندر اور منشی دیبی پرشاد کی رائے

راجپوتانہ کے مشہور مورخ و واقعہ نگار منشی دیبی پرشاد صاحب نے ۱۹۱۶ء میں ماہانہ رسالہ عبرت میں درج ہونیکے لئے ایک مضمون بھیجا تھا۔ ان کے قلم کا لکھا ہوا وہ اصل مضمون مولانا مرحوم کے کتب خانے کے متفرق کاغذات میں پڑا ہوا اتفاقاً اس وقت مجھکو مل گیا ہے اور میں اُس کا ایک حصّہ جو اس جگہ درج ہونیکے قابل ہے نقل کرتا ہوں۔ و ہوا ہذا:-

"پہلودی ایک پرانا گاؤں ہے۔ جو جودھپور سے تیس کوس پورب کو اور میرتھ سے پانچ کوس پچھم میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کے نیچے بستا ہے۔ یہاں برمھانی ماتا کا مندر آثار قدیمہ اور فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے اس مندر کی خوبصورتی سنگتراشی اور مصوری قابل دید ہے۔ پتھروں کی مورتیوں کو سنگتراشوں نے جس خوبی سے تراشا ہے اُسے دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اس مندر کے پاس جنوب کی جانب ایک چھوٹا سا مندر رجوالا دیبی کا ہے۔ یہ مندر بھی نہایت قدیم ہے اور اس کی مورتیوں میں بھی سنگتراشوں نے اعلیٰ قابلیت کا اظہار کیا ہے۔ بعض مورتیں شکستہ حالت میں پڑی ہیں۔ اِن مندروں کی مرمت بعض کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان محمود تغلق کے زمانے میں ہوئی ہے۔ برمھانی ماتا کے مندر کے پاس پچھم کی طرف ایک بڑا جین مندر ہے جو نہایت بلند ہے اور قدیم ہونے کے باوجود نہایت اچھی حالت میں ہے۔ ان مندروں کی تعمیر کا زمانہ خاندان غلامان کے عہدِ حکومت کا ہے۔ مندروں کے پجاریوں کے پاس اراضیات معافی علی الدوام کے فرامینِ شاہی بھی موجود ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو مندروں کے مسمار کرنے کا بہت شوق تھا وہ غور کریں کہ یہ مندر اور ان کی مورتیں تاحال کیوں باقی ہیں اور ان مندروں کے نام مسلمانوں نے فرامین معافیات کے کیوں دیئے اور ان مندروں کی مرمتوں کے کتبوں میں مسلمانوں کے نام کیوں درج ہوئے اور عالمگیر نے اُن کو بالکل مسمار کر دینے میں کیوں تامل کیا۔ اگر سیکڑوں مورتوں میں سے کوئی ایک دو مورت شکستہ بھی ہے تو اُس کا سبب کچھ اور ہی ہوگا۔ ورنہ سیکڑوں مورتیوں کو علی حالہٖ قایم رکھ کر کسی ایک معمولی مورت کو تھوڑا سا توڑ دینے سے تو مندر شکنی کے جذبے کو تسکین نہیں پہونچ سکتی تھی۔ پھر مندروں کی قدیم عمارت کو کیوں باقی رکھا۔ میرا خیال ہے کہ محض اُن مندروں یا اُن مورتیوں کو نقصان پہونچایا گیا ہے۔ جن سے تعلق رکھنے والے

ہندوؤں نے بغاوت یا سرکشی پر علانیہ کمر باندھی تھی بمورتیوں اور مندروں کے توڑنے کو مذہبی منافرت اور ہندو مسلمانوں کے مذہبوں کی مخالفت سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔

بھگت مال مرتبہ رائے تلکشی رام کی شہادت

رائے تلکشی رام صاحب ولد رام پرشاد صاحب نے بھگت مال کے نام سے جو کتاب ہندو صوفیوں اور ہندو درویشوں کے حالات میں لکھی ہے وہ ہندوؤں میں کس قدر مقبول ہوئی۔ اس کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اپریل ۱۹۱۲ء میں مطبع نول کشور نے اس کا دسواں ایڈیشن چھاپا اور اس وقت میرے سامنے اسی سویں ایڈیشن کی ایک جلد ہے۔ ممکن ہے ۱۹۱۲ء سے اب تک اور بھی کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہوں۔ اس کتاب کے صفحہ ۷۶۹ و ۷۷ میں سو بھارام جی برہمن کا جو واقعہ درج ہے اس کا ایک حصہ اور خلاصہ اس طرح ہے:-

"سو بھارام جی برہمن باشندۂ بوڑیہ (متصل جگادھری) نے عہد عالمگیری میں ایک عالیشان مندر بنایا۔ اس مندر میں آرتی ہوتی اور سنکھ بجتا تھا۔ ایک مرتبہ بوڑیا کے مسلمان عامل یا قلعہ دار نے سنکھ کی آواز کو ناگوار محسوس کر کے دل میں ارادہ کیا کہ سو بھارام کا منہ کالا کر کے گدھے پر چڑھانا چاہیے۔ سو بھارام جی صبح کو اسی طرح منہ کالا کر کے گدھے پر سوار حاکم مذکور کے دروازے پر پہونچ گئے۔ وہ حاکم یہ دیکھ کر سو بھارام جی کا بیحد معتقد ہو گیا"

بندرابن میں گوبند جی کا مندر

مذکورۂ بالا کتاب بھگت مال کے صفحہ ۷۰ میں نتیانند جی مہاراج کے حال میں لکھا ہے کہ:-

"قلعہ اکبرآباد تیار ہو رہا تھا اور سنگ سرخ کسی دوسری جگہ نہیں جا سکتا تھا مگر راجہ مان سنگھ نے اکبر بادشاہ سے اجازت لیکر بندرابن میں گوبند دیو جی کا مندر تیار کرایا جس میں سنگ سرخ مفت کا لگا اور صرف مزدوروں کی اجرت اور مصالحہ میں تیرہ لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ یہ مندر آج تک موجود ہے اور اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں راجہ جے پور نے بارہ پوران میں یہ بات سنی کہ جو کوئی گوبند دیو کے درشن کرتا ہے پھر اس کو آواگون نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ کمال منت و آرزو سے گوبند دیو جی کی مورتی کو جے پور لے گیا جو اب تک وہاں براجمان ہیں اور

بندرابن کے مذکورہ مندر میں دوسری مورتی رکھدی گئی“

بندرابن کے اس مذکورہ مندر نے اورنگزیب کا زمانہ بھی پایا تھا لیکن اس کو کوئی آزار نہیں پہونچا۔ لیکن اورنگزیب کے بعد ایک ہندو راجہ نے اس میں تصرف کیا اور ایسا عظیم الشان تصرف کہ مندر کی جان یعنی اصل مورتی ہی کو وہاں سے لے گیا۔

رائے بہادر لالہ بیجناتھ کا ارشاد

رائے بہادر لالہ بیجناتھ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ”ہندوستان گزشتہ وحال“ یہ کتاب سنہ ۱۹۰۴ء میں آگرہ میں چھپی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶ میں رائے بہادر صاحب فرماتے ہیں کہ :-

”مسلمان فرمانرواؤں کی نسبت یہ اعتراض بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اُن کے عہد میں نئے مندر بننے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ دہلی۔ آگرہ۔ متھرا۔ بنارس وغیرہ میں جو اسلامی قوت وسطوت کے مرکز تھے بہت سے مندر شاہانِ اسلام کے عہد کے تعمیر شدہ اس وقت تک موجود ہیں۔ چنانچہ بندرابن کے مشہور مندر گوبندد یوجی۔ گوپی ناتھ جی۔ مدن موہن جی۔ مہاپربھو چیتن جی کے چیلے روپ سناتن گوسائیں نے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے مسلمان تھے۔ مسلمانوں ہی کے عہدِ حکومت میں بنوائے تھے“

مالوہ وبندیل کھنڈ کے مناور

لالہ لاجپت رائے صاحب اپنی تاریخ ہند جلد اوّل میں، ڈاکٹر لی بان اپنی کتاب تمدن ہند میں اور الہ آباد کی ہندوستانی اکاڈمی اپنی شائع کردہ کتاب ہندوستان کے معاشری حالات میں متفقہ طور پر بندیل کھنڈ کے مندروں کا حال لکھتے ہیں۔ قدیم زمانے میں بندیل کھنڈ کا دارالحکومت کھجراہ یا کھجوراہہ یا کھجراہو بیان کیا جاتا ہے جو آجکل ویران ہے۔ بعض مورخوں نے اسی کو کانجر اور بعض نے کچھ اور نام لکھا ہے۔ یہ راجپوتوں کی ایک چندیل قوم کا دارالحکومت تھا۔ ڈاکٹر لی بان نے لکھا ہے کہ یہ چھتر پور سے ۴۳ کیلومیٹر کے فاصلے پر مشرق کی جانب واقع ہے۔ شہر اگرچہ ویران ہوگیا ہے۔ لیکن اُس کے مندر جو نہایت شاندار ہیں اب تک موجود اور اپنے بانیوں کی عظمت کا اعلان و اظہار کر رہے ہیں۔ یہ وہ مندر ہیں کہ محمود غزنوی کے

زمانے میں بھی ان میں سے اکثر موجود تھے۔ سیاح لوگ ان کے دیکھنے کو دُور دُور سے آتے ہیں۔ ڈاکٹر لی بان کا قول ہے کہ اب سے (تمدن ہند کی تصنیف کے زمانے سے) چالیس سال پہلے تک ان مندروں کی تعداد ساٹھ تھی۔ لیکن اب صرف چالیس رہ گئی ہے اور انگریزوں کی سلطنت اس علاقے پر سو سال سے قایم ہے۔ اِن مندروں کی شان و شوکت و عظمت و خوبصورتی کی سب نے زیادہ تعریف کی ہے۔ اگر اورنگزیب مندروں کے مسمار کرنے کا شوقین تھا تو تعجب ہے کہ اُس نے اپنے پنجاہ سالہ عہدِ حکومت میں ان کثیر التعداد شاندار اور یکجا مندروں کی مسماری سے اپنا شوق پورا نہ کیا مالوہ بالخصوص علاقہ ریاست بھوپال میں بھیلسہ اور سانچی کے ٹوپ بیحد مشہور ہیں اور سب سے زیادہ اورنگزیب کی توجہ کو اُنہوں نے اپنی طرف جذب کیا ہوگا لیکن وہ آج بھی اُسی شاندار حالت میں موجود ہیں۔ بھوجپور میں قدیم مندروں کی کافی تعداد موجود ہے۔ جن میں ایک مندر جو اب شکستہ حالت میں ہے اُس کو راجہ سمپ باج نامی نے ۱۵۹ سمہ بکرمی میں بنایا تھا۔ اس میں چار ستون پچیس پچیس ہاتھ بلند ایک ڈال پتھر کے بنائے ہوئے اس وقت تک کھڑے ہیں اور دروازے پر بخطِ ہندی ایک کتبہ موجود ہے۔ اورنگزیب سے تو اتنا بھی نہ ہوسکا باوجود شوق مندر شکنی اس قدیم وعظیم الشان مندر کو ڈھاتا۔ اس کے ستونوں کو گراتا اور اس کے ہندی کتبے کو مٹاتا۔ قصبہ کوروائی کے متصل موضع پٹھاری میں ایک ڈال پتھر کا چودہ گز بلند مینار ہے۔ پٹھاری سے ایک کوس کے فاصلے پر ایک تالاب ہے۔ اُس کے گرد چند قدیم بتخانے ہیں۔ اُن میں ایک نہایت عالیشان مندر ہے جس کی مورتیوں کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا کہ کئی جگہ اس طرح بنی ہوئی ہیں کہ ایک حسین عورت ایک شیر خوار بچے کو لئے ہوئے لیٹی ہے اور ارد گرد کنیزیں کھڑی ہیں اُن کے جسم پر زیور بھی ہے۔ موضع ایران متصل پٹھاری میں بھی ایک ڈال پتھر کا مینار ہے۔ مینار کے برابر ایک قوی ہیکل بت ہے۔ جس کے سر اور پیٹ اور کاندھوں پر بہت چھوٹے چھوٹے بت بنے ہوئے ہیں۔ موضع گیارس پور کے قریب ایک سنگین بتخانہ ہے۔ اُس پر اگر کوئی پتھر کھینچ مارے تو ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے تانبے اور پیتل کے ظرف پر کسی چیز کے گرنے سے پیدا ہوا کرتی ہے۔ گاؤں والے اُسے بجنے مندر کہتے ہیں موضع اودے پور میں ایک عالیشان مندر ہے جس کی نقاشی اور سنگتراشی خاص طور پر قابلِ دید ہے شہر بھوپال سے بارہ کوس کے فاصلے پر ساکھا نامی میدان میں ایک منقش عالیشان مندر پاربتی ندی کے متصل بنا ہوا ہے۔ یہ اور ان کے علاوہ اور بہت سے قدیم مندر اس علاقے میں موجود ہیں

اور سب قدیم اور عالمگیر کے زمانے میں موجود تھے لیکن عالمگیر نے ان کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا ؂

ایلورہ و ایجنٹا و ایلیفنٹا کے مناور

ایلورہ۔ ایجنٹا۔ ایلیفنٹا کے مناور جو پہاڑوں کو کھود کر بنائے گئے ہیں اور ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے سیکڑوں سال پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔ آجتک سیاحان عالم کو اپنی طرف کھینچ کھینچ کر بلانے میں کامیاب اور اپنی اعجوبہ روزگار سنگتراشی سے دیکھنے والوں کو حیران و ششدر بنا دیتے ہیں۔ پھر لطف یہ کہ ایلورہ کے عظیم الشان اور سب سے زیادہ جاذب توجہ مندر خود اورنگزیب عالمگیر کی بغل اور اس کے آباد کردہ شہر اورنگ آباد کی گود میں موجود رہے اور عالمگیر نے کسی مندر اور مندروں کی کسی مورت کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہونچایا اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بجنسہ اور علی حالہ ان مندروں اور ان مورتیوں کو چھوڑ گیا؂

لالہ لاجپت رائے کی گواہی

لالہ لاجپت رائے اپنی کتاب تاریخ ہند میں فرماتے ہیں کہ:۔

"راجہ راجندر چولا نے چولا پورہ کے نام سے ایک شہر آباد کیا شہر میں ایک عظیم الشان محل اور ایک مہان مندر تعمیر کیا۔ اس مندر میں تیس فٹ لمبی ایک کالے پتھر کی مورتی (شیو لنگ کی) استھاپت کی مندر میں نقاشی کا کام نہایت عجیب و غریب ہے"

پھر لکھتے ہیں کہ

چولا خاندان کے راجاؤں نے تنجور کے مندر میں چوٹی کی ایک سل ۲۵ فٹ مربع اور وزن میں اسی ٹن کی نصب کی ہے جو تاحال موجود ہے۔

اسی طرح دریائے کاویری کے کنارے کے مندر تنجور و ترچنا پلی و مدورا کے مناور جو بڑے شاندار ہیں سب قدیم ہیں۔ مگر اورنگزیب نے ان میں سے کسی کو نقصان نہیں پہونچایا۔

متفرق مناور

اڑلیسہ کے قدیم ترین مندروں میں بھون آیشر اور جگناتھ کے مندر ۵۰ء کے قریب زمانے میں

تعمیر ہوئے صوبہ بہار میں۔ بدھ گیا کا مندر جو ایک سو ستر فٹ (۱۷۰) بلند ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک سو سال پہلے کا تعمیر شدہ ہے۔ کوہ آبو کے دو جین مندروں میں ایک دمل ساہ کا مندر ہے جو ۱۰۳۰ء کا اور دوسرا ۱۱۹۷ء کا تعمیر شدہ ہے دونوں کا نقشہ ایک ہے۔ شہر اودے پور سے ۱۹ کیلو میٹر کے فاصلے پر جنگل میں ایک نہایت عالیشان قدیم مندر موجود ہے۔ یہ تمام منادر اورنگزیب کا زمانہ دیکھ چکے ہیں اور اب تک موجود ہیں۔ دکن میں بیجانگر کے مندروں کا سلسلہ پرس کے برابر رقبے میں پھیلا ہوا موجود ہے اور اُن کو کوئی آزار نہیں پہونچا۔ اسی طرح ملک گجرات میں کثیر التعداد قدیم منادر موجود ہیں۔ اور اُن میں ایک بڑی تعداد ایسے مندروں کی ہے جو اورنگزیب کے عہدِ حکومت میں تعمیر ہوئے اور آج تک اُن کے کتبے موجود ہیں۔ ریاست پالن پور اور خاص شہر پالن پور میں بھی بکثرت قدیم منادر تا حال موجود ہیں۔ قلعہ گولکنڈہ اور قلعہ کریم نگر ہندو زمانے کے تعمیر شدہ ہیں۔ اُن کی چوٹیوں پر اب تک قدیم زمانے کے مندر موجود ہیں یہ قلعے اورنگزیب کے قبضے میں آئے اور اُس کی خصوصی توجہ ان کی طرف مبذول رہی۔ لیکن ان ہندو مندروں کو اُس نے کوئی آزار نہیں پہونچایا!

مندرجہ بالا واقعات و حقایق جو بطور اختصار پیش کئے گئے ہیں اس بات کا یقین دلانے کے لئے کافی ہیں کہ براعظم ہندوستان یعنی عالمگیر کے مقبوضہ و محروسہ ملک کے ہر صوبے۔ ہر حصے اور ہر ایک گوشے میں ایسے بتخانے اور مندر موجود ہیں کہ اگر عالمگیر پر باندھا ہوا بہتان کوئی ذرا سی بھی اصلیت اپنے اندر رکھتا ہوا ہوتا تو ان مندروں میں سے ایک بھی مندر آج موجود نہ ملتا۔ بس اس حقیقت کے تسلیم کر لینے میں مطلق تامل نہ ہونا چاہیے کہ اختلاف مذہب اور بیجا مذہبی تعصب کی وجہ سے عالمگیر نے ہندوؤں کے کسی مندر کو نہیں ڈھایا۔ اب ایک خدشہ باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ عالمگیر نے متھرا اور بنارس کے بعض مندروں کو جن کی تعداد دو یا تین سے زیادہ نہیں ہے کیوں ڈھایا؟ اس خدشہ اور اس سوال کا جواب تو اوپر آ چکا ہے کہ ضرور کوئی اور ہی خاص وجہ ہو گی۔ مذہبی تعصب تو اس کا سبب ہرگز نہیں ہو سکتا تاہم جو کچھ ثابت ہوتا ہے ذیل میں عرض کیا جاتا ہے:۔

مندر شکنی کی اصلیت

ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کرو اور عہدِ ہنود یا عہدِ قدیم کو چھوڑ کر اُس زمانے کی تاریخ کو مطالعہ

کرو۔ جس میں مسلمان اور ہندو دونوں اس ملک میں موجود ہو گئے تھے۔ تم کو اس عہدِ اسلامیہ کے کسی زمانے میں اور ہندوستان کے کسی گوشے میں کہیں یہ نظر نہ آئیگا کہ کسی مسلمان نے بلا وجہ محض مذہبی تعصب کیوجہ سے کسی مندر کو نقصان پہونچایا ہو یا ہندوؤں نے مسلمانوں پر غلبہ پاکر مسلمانوں کی مسجدوں کو ڈھایا ہو۔ محمد بن قاسم نے سندھ میں مندروں کے مصارف اور پجاری برہمنوں کے لئے سرکاری خزانے سے کئی فیصدی روپے کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا اور حکومت اسلامیہ نے مندروں کی محافظت و نگرانی کو اپنے فرائض میں داخل کر لیا تھا۔ ملتان کے مندر کو عرب حکمراں ملتان کی رونق و آبادی کے لئے نہایت ضروری چیز جانتے تھے۔ جلال الدین خلجی۔ فیروز شاہ تغلق بہلول لودی وغیرہ سلاطین اسلامیہ کے محلات شاہی کے سامنے ہندو سنکھ اور جھانج بجاتے ہوئے گزرتے اور اپنے مندروں میں دار السلطنت اسلامیہ کے اندر آزادانہ آرتی اور بھجن سب کچھ شرائط عبادت بجالاتے تھے۔ اور سلاطین اسلامیہ ان کی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔ لیکن دوسری طرف سلطان محمود غزنوی نے سومناتھ تھانیسر اور کانگڑے کے مندروں کو نقصان پہونچایا اور شمس الدین التمش نے اجین میں مہاکال نامی مندر کو ڈھایا۔ خوب سوچو اور غور کرو کہ محمود کالنجر۔ قنوج۔ متھرا۔ بلند شہر۔ سرسند۔ پٹن گجرات۔ کانگڑہ۔ کشمیر۔ سندھ وغیرہ ہندوستان کے بہت سے آباد و مشہور شہروں میں فاتحانہ داخل ہوا اور بعض شہروں میں ایک سے زیادہ مرتبہ آیا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ اس نے صرف دو تین ہی مندروں کو نقصان پہونچایا اور سارے کے سارے مندروں کو علی حالہ باقی اور سلامت رہنے دیا۔ جن میں سے بہت سے آجتک بھی باقی اور موجود ہیں۔ اسی طرح سلطان شمس الدین التمش نے صرف مہاکال کے مندر کو ڈھایا لیکن اجین کے باقی مندروں اور ان کی مورتیوں کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا اس کا سبب صرف یہ تھا کہ یہ مندر مذکورہ پادشاہوں کی سلطنتوں کو بیخ و بن سے اکھیڑ دینے کے لئے سازش خانے تھے اور عبادت خانوں کے نام سے ان سازش خانوں کو محفوظ اور پناہ کی جگہ بنایا گیا تھا اس حقیقت کی تفصیل مولانا اکبر شاہ خان صاحب مرحوم کی مشہور آفاق کتاب آئینہ حقیقت نما میں قابلِ ملاحظہ ہے۔ بیجانگر کے راجہ نے جب ایک مرتبہ بیجاپور کی اسلامی ریاست کو شکست دیکر بیجاپور کے علاقے میں تاخت و تاراج کا سلسلہ جاری کیا تو خصوصیت سے جو مسجد سامنے آئی اس کو ڈھایا اور اس طرح سیکڑوں بلکہ ہزاروں مسجدوں کو مسمار کیا اور جلا دیا۔ لیکن اس بیجانگر کے راجہ نے جب مسلمانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنا ضروری سمجھا تو خود ان کے لئے شاندار مسجد تعمیر کرائی اور اپنے دربار میں اپنے سامنے تخت پر

پر نہایت خوبصورت اور قیمتی رحل پر قرآن مجید رکھکر اُس کو ڈنڈوت اور سلام کرنا اپنی ذات پر لازمی قرار دے لیا۔ آج بھی بھرت پور کے راجا اور کپور تھلہ کے سکھ فرمانروا نے نہایت شاندار اور عالیشان مسجدیں مسلمانوں کی عبادت کے لئے تعمیر کرائیں۔ دوسری طرف بھرت پور کی ریاست میں مسجدونکی بیحرمتی پر ریاست کے خلاف ہنگامے برپا ہوئے اور سکھوں نے لاہور کے لنڈا بازار میں ایک مسجد مسمار کردی۔ بہار۔ اودھ اور یوپی میں کئی قدیم مسجدیں ہندوؤں کی تعمیر کردہ اور کئی قدیم ہندو عبادت خانے مسلمانوں کے تعمیر کردہ تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ ان سب باتوں کو ذہن میں رکھکر اس بات پر غور کرو کہ کسی زمانے میں کوئی مذہب کسی ملک میں ایسا نہیں پایا گیا کہ اُس مذہب کے ماننے والوں میں ایک ... تعداد غالی اور متشقق لوگوں کی نہ ہو۔ ہندوؤں میں بھی ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ضرور موجود رہے ہیں جو چار گھڑی دن چڑھے تک کسی مسلمان یا غیر ہندو کی صورت دیکھنا گناہ اور اپنے لئے جرم عظیم یقین کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو پلید و ناپاک وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی ایسے اشخاص ہر زمانے میں موجود رہے ہیں جن کا قول ہے کہ کافر کو بلاوجہ مار ڈالنا اور اُس کا مال بلاوجہ بھی لوٹ لینا جائز ہے۔ اس قسم کے جاہل اور نالائق لوگ اپنے اپنے مذہب کے لئے کلنک کا ٹیکا ہوتے ہیں۔ ان کو درحقیقت مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ نہ اُن کو کوئی مذہبی واقفیت ہوتی ہے یہ مذہب کو بدنام اور رسوا کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہی لوگ ممکن ہے کہ معبد شکنی پر اتر آئیں۔ لیکن ایسے لوگوں کو عموماً حکومت و طاقت نہیں ملا کرتی اور یہ لوگ عموماً محکومی و غلامی ہی کی زندگی بسر کیا کرتے ہیں۔ پادشاہوں اور فرمانرواؤں نے اگر کبھی دوسرے مذہب کے عبادت خانوں کو نقصان پہونچایا ہے۔ تو محض اپنی سیاسی اغراض کے لئے۔ مذہبی مخالفت کی بنا پر کسی پادشاہ کا عبادت خانوں کو ڈھانا عموماً مسلمانوں کی تاریخ میں تو کہیں نہیں پایا جاتا اور نہیں پایا جا سکتا اس لئے کہ اسلام تو نہ صرف مسلمانوں کی مسجدوں بلکہ مندروں اور گرجوں کی حفاظت کو بھی مسلمانوں کے لئے ضروری ٹھہراتا ہے ؎

متھرا کا مندر

اکبر بادشاہ کا باوجود جہالت مذہبی اعمال دعقائد میں دخل در معقولات ہونا موجب اس کا ہوا کہ

علمائے اسلام اکبر سے متنفر ہو گئے۔ ہندوؤں نے اکبر کی لامذہبیت کی شہ پاکر مسلمانوں کو ناجائز طور پر دبانا اور ان کے مذہبی علماء کو ذلیل کرنا شروع کیا۔ اکبر کی اس لامذہبیت اور اسلام دشمنی کا سبب ملا مبارک کے بیٹے ابوالفضل اور فیضی تھے جن کو بعض مسلمان مولویوں کے ہاتھ سے سخت اذیتیں پہونچی تھیں۔ انہوں نے اکبر کے مزاج پر قابو پاکر نہ صرف یہ کہ عبدالنبی صدر اور ملا عبداللہ سلطان پوری سے انتقام لیا۔ بلکہ اکبر کو جو ایک طرف جاہل اور دوسری طرف پادشاہ تھا۔ مدعیِ نبوت بناکر اسلام سے بھی انتقام لینا چاہا جس کے نام پر مذکورہ مولویوں نے فتوے صادر کرکے ملا مبارک اور اس کے بیٹوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ اِس فتنہ پردازی میں جو اسلام کے خلاف برپا ہوئی نہ ہندوؤں کا کوئی دخل تھا نہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے اِس معاملے میں کوئی شکایت تھی۔ اس لامذہبیت کا طوفان اس قدر ترقی کر گیا کہ خود اکبر کے بیٹے جہانگیر کو (حالانکہ جہانگیر بھی کچھ زیادہ مذہبی آدمی نہ تھا) مجبوراً اورچھ کے راجا نرسنگھ دیو کو ابوالفضل کے قتل پر مامور کرنا پڑا۔ ابوالفضل نرسنگھ دیو کے ہاتھ سے قتل ہوا اور اکبر نے متعدد سردار اور خود ابوالفضل کے بیٹے کو مامور کیا کہ نرسنگھ دیو کو زیرِ قصاص لائیں۔ لیکن جہانگیر اور دوسرے مسلمانوں کی حمایت نے نرسنگھ دیو کا بال بھی بانکا نہ ہونے دیا اور اکبر اپنے مشیر و وزیر بلکہ یوں کہئے کہ اپنے پیر ابوالفضل کے قتل کا داغ لیکر چند ہی روز کے بعد خود بھی اس جہانِ فانی سے سدھار گیا۔ جہانگیر بھی اکبر ہی کی طرح ہندوؤں پر مہربان رہا۔ ابوالفضل کا واقعہ مسلمانوں کا ایک داخلی معاملہ تھا۔ جہانگیر نے ایک ہندو کے ہاتھ سے اُسے قتل کرا دیا۔ اصل محرک جہانگیر تھا اور نرسنگھ دیو نے اُس کے حکم کی تعمیل کی تھی لہٰذا نرسنگھ دیو کو کسی نے بُرا نہیں کہا۔ یہاں تک کہ جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی نرسنگھ دیو کے خطاب اور منصب اور جاگیر میں جو یکلخت عظیم الشان اضافہ کیا اس کی بھی کسی نے شکایت نہیں کی۔ بلکہ مسلمان امراء نے اس اضافہ کو بہ نظرِ اطمینان دیکھا۔ شکایت کی بنیاد صرف اس بات سے شروع ہوتی ہے کہ ابوالفضل اکبر کی طلبی پر دکن سے آتا ہوا جب راستے میں قتل ہوا ہے تو اُس کے ہمراہ بتیس [۳۲] لاکھ روپیہ تھا نرسنگھ دیو نے ابوالفضل کو قتل کرنے کے بعد اس ۳۲ لاکھ روپے پر بھی قبضہ کر لیا اور اُس کو بطور امانت اپنے قبضے میں رکھا جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد جب نرسنگھ دیو ایک معمولی زمیندار کی حیثیت سے اُٹھاکر ایک بڑا راجہ بنا دیا گیا اور جہانگیر کی ناک کا بال بن گیا تو اُس نے ابوالفضل کے قتل کو اپنی ترقی کا ذریعہ اور نیک شگون سمجھ کر اُس ۳۲ لاکھ روپے سے جو الگ محفوظ رکھا تھا متھرا میں ایک مندر تعمیر کیا۔ مسلمان ابوالفضل سے کتنے ہی

ناراض ہوں۔ لیکن اُن کو یہ بات ناگوار گزری کہ ایک مسلمان کے روپے سے جو بیکسی کی حالت میں قتل ہوا
ہندوؤں کا بت خانہ تعمیر ہو۔ جہانگیر جس نے ابوالفضل کے کٹے ہوئے سر کو پاخانے میں ڈلوا دیا تھا
ابوالفضل کے روپے سے مندر بنانے کو کیوں روکتا۔ عام مسلمان بھی خاموش ہو گئے اور اپنی ناراضی و
ناخوشی کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ اکبر کے زمانے میں جبکہ گوبند دیوجی۔ گوپی ناتھ جی اور جگل کشور جی کے مندر
خود اکبر کی ترغیب و تحریک سے متھرا اور بندرابن میں تعمیر ہوئے اور بندرابن کو اکبر نے خود مقدس مقام
قرار دیا تھا۔ متھرا اور بندرابن کے باشندے انتہا درجے کے سرکش ہو گئے تھے اور عاملان شاہی کو
مطلق خیال میں نہیں لاتے تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں دارا شکوہ اکبر سے بھی زیادہ متھرا و بندرابن
والوں کا حامی و ناز بردار تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اعظم خان متھرا کی فوجداری میں متھرا والوں کی معاندانہ وخود
مختارانہ طرزِ عمل کے مقابلے میں ذلیل و رسوا ہوا۔ اس کے بعد مرزا عیسیٰ خان فوجداریِ متھرا پر مامور ہوا اور
متھرا والوں نے اس کو بھی ذلیل کیا اور دارا شکوہ کی وجہ سے متھرا والوں کو مطلق تنبیہ و تادیب نہیں کی جا
سکی۔ اس کے بعد اور جس قدر فوجدار مامور ہوئے سب کا یہی حشر ہوا آخر نوبت یہانتک پہونچی کہ کوئی سردار
متھرا کی فوجداری قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا اور سب اپنی جان بچانے اور جی چرانے لگے۔ متھرا والوں
نے علانیہ مسلمانوں کو اور اُن کے مذہب کو بُرا کہنا اور ذلیل کرنا شروع کیا اور نرسنگھ دیو کے بنائے ہوئے
مندر کو جو ابوالفضل کے لوٹے ہوئے روپے سے بنا تھا ایک طرف تو ہندو اپنا عبادت خانہ بنانے میں خلاف
رکھتے اور دوسری طرف مسلمانوں کے مقابلے میں اسکو ہندو مذہب کا نشان فتح قرار دیتے تھے۔ عہدِ عالمگیری میں جو امیر
متھرا کی فوجداری پر مامور ہوئے اُن کو پادشاہ نے خاص طور پر تاکید فرما دی تھی کہ متھرا والوں کو جو سرکشی و
شرارت میں شہرت حاصل کر چکے ہیں نرمی و محبت کے ساتھ مطیع و تابع فرمان بنایا جائے۔ لیکن اس نرمی و
رواداری کے برتاؤ کا اثر اور بھی اُلٹا ہوا اور متھرا والوں کی شوخی پہلے سے اور ترقی کر گئی۔ گوکلا جاٹ نے
باغیوں اور سرکشوں کا سردار بنکر سید عبدالنبی خان فوجدار متھرا کے خلاف خروج کیا۔ سید عبدالنبی نہایت
مرنجان مرنج اور قابل سردار تھا۔ لیکن باغیوں نے مسلمانوں کی مسجد کو بے حرمت کیا۔ فوجدار موصوف اور
شاہی فوج کا مقابلہ کیا۔ سید عبدالنبی لڑائی میں شہید ہوئے۔ متھرا میں باغیوں نے خوب اودھم مچایا اور
جو مسلمان سامنے آیا اُسے قتل کیا۔ یہ حالات سُن کر عالمگیر نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے اول صف شکن
خان کو پھر اُس کی جگہ الہ وردی خان کے بیٹے حسن علی خان کو مامور کیا۔ حسن علی خان نے گوکلا جاٹ کو

جو باغیوں کا سرغنہ تھا قتل کیا اور نرسنگدیو کے تعمیر کردہ مذکورہ مندر کو جسے گوکلا جاٹ نے دارالبغاوت اور مرکز حکومت بنا رکھا تھا مسمار کیا۔ اکبر کے زمانے سے متھرا میں جو سرکشی کا مواد پیدا ہو کر برابر ترقی کر رہا تھا اُس کا پہلی مرتبہ حسن علی خان نے علاج کیا اور اس تادیب کے بعد متھرا والوں کی حالت درست ہو گئی اور پھر اُن کو سرکشی و بغاوت کی جرأت نہیں ہوئی ؛

بنارس کا مندر

جہانگیر اگرچہ اپنے باپ اکبر کی طرح بددینی و لامذہبیت کے رواج دینے کا شائق نہ تھا۔ لیکن شراب خوری و عیش پسندی نے اُس کو اپنے مذہب کیطرف سے غافل اور بے پروا بنا دیا تھا ہمایوں ہی کے زمانے سے مسلمان امرائے دربار اور ارکان سلطنت میں شیعہ وسنی دو گروہ موجود تھے۔ نور جہاں اُس کی محبوب بیوی جو اُس کے مزاج پر مستولی تھی۔ شیعہ مذہب کی پابند اور شیعوں کی سرپرست تھی۔ اس شیعہ سنی رقابت نے مسلمانوں کے لئے اسکا کوئی موقع نہ رکھا تھا کہ وہ ہندوؤں کی چیرہ دستی اور غلبہ کو محسوس کرتے قصبۂ گجرات صوبۂ پنجاب میں ہندوؤں نے مسلمان عورتوں کو زبردستی اپنے گھروں میں ڈال لیا اور بہت سی مسجدوں کو مندر بنا لیا۔ یہی حال بنارس میں ہوا۔ وہاں ہندوؤں نے سیکڑوں مندر بنارس اور نواح بنارس میں تعمیر کر لئے اور مسجدوں کو بھی مندر بنا لیا۔ اسی طرح جہاں جہاں ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی اور سلطنت کا رعب واثر کمزور وہاں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ستانے اور دبانے میں کوتاہی نہیں کی شاہجہاں کو تخت نشین ہونے کے بعد جب ہندوؤں کی مذکورہ چیرہ دستیوں کا حال معلوم ہوا تو اُس نے پنجاب میں صرف یہ کیا کہ گجرات کی مسلمان عورتوں کو ہندوؤں کے قبضے سے نکلوا کر پھر اُن کو مسلمان شوہروں کو سپرد کرا دیا اور جن مسجدوں کو بتخانہ بنایا گیا تھا اُن کو مسلمانوں کے قبضے میں دے کر پھر مسجد بنا دیا گیا۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کو اور کوئی عبرتناک سزا نہیں دیگئی۔ نہ اُن کے مندروں کو کوئی نقصان پہونچایا گیا۔ نہ انتقاماً اُن کی عورتوں کی کوئی بے حرمتی کی گئی۔ بنارس میں ۷۶ جدید تعمیر کردہ مندر شاہجہاں نے مسمار کرائے۔ اور حکم دیا کہ آئندہ بلا اجازت کوئی جدید بتخانہ تعمیر نہ کیا جائے۔ جہانگیر کے آخر عہد حکومت اور شاہجہاں کے ابتدائی عہد حکومت میں ہندوستان کے اندر ہندوؤں کی چیرہ دستی انتہا کو پہونچ گئی تھی۔ اس کا صحیح اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت شیخ احمد صاحب

سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ جو جہانگیر کے معاصر اور جہانگیر ہی کے حکم سے دو سال تک گوالیار کے قلعے میں محبوس رہ چکے تھے اپنے ایک مرید معتقد میر محمد نعمان کو لکھتے ہیں کہ "ہندو لوگ بلا تکلف مسجدوں کو گرا کر اپنے معبد اور مندر تعمیر کر رہے ہیں اور مسلمان اپنے اسلامی اعمال و عبادات کی بجا آوری میں عاجز و قاصر ہیں"۔ یہ خط مکتوبات مجدد الف ثانی کے دفتر دوم میں موجود ہے۔ مکتوبات مجدد الف ثانی کے دفتر اول میں خان اعظم کے نام مجدد صاحب کا ایک خط ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "اسلام کی غربت اب اس حد تک پہونچ گئی ہے کہ ہندو لوگ اب علانیہ اسلام پر طعن کرتے ہیں اور مسلمانوں کی تذلیل میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اس نازک وقت میں آپ کا دم غنیمت ہے۔ قولی جہاد سے آپ باز نہ رہیں"۔ اسی دفتر اول میں ایک اور خط لالہ بیگ صاحب کے نام ہے اس میں لکھتے ہیں کہ "تخمیناً سو برس سے ایسی غربت اسلام پر چھا رہی ہے کہ ہندو لوگ مسلمانوں کے شہروں میں صرف یہی نہیں کہ احکام کفر جاری کرنے پر قانع ہوں بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام بالکل مٹ جائے اور اہل اسلام کا اثر کچھ بھی باقی نہ رہے اب یہانتک نوبت پہونچ گئی ہے کہ جو شخص شعار اسلام بجا لاتا ہے وہ مستوجب قتل قرار دیا جاتا ہے"۔

مجدد صاحب نے یہ پرائیویٹ دنجی خطوط اپنے مریدین و معتقدین کو جہانگیر کے عہد حکومت میں لکھے ہیں۔ اُن کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ کسی زمانے میں ان خطوط کو اس طرح کسی کتاب میں بطور ثبوت پیش کیا جائے گا۔ لہٰذا اُس زمانے کے ہندوستان کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ان سے بہتر سامان نہیں مل سکتا۔ ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر عالمگیر اور نگزیب کے متعلق فیصلہ صادر کیجئے کہ اُس نے صرف یہ گناہ کیا کہ بنارس میں جب مذکورہ حکم شاہجہانی کی از راہ سرکشی مخالفت کی گئی اور بلا اجازت مندر تعمیر کیا گیا تو عالمگیر نے اس مادہ سرکشی کو مٹانے اور احکام سلطنت کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے مندر کو ڈھا دینے کی اجازت دی۔ اور عالمگیر تو آج سے ڈھائی سو سال پہلے کا ایشیائی بادشاہ بلکہ شہنشاہ تھا میں کہتا ہوں کہ آج بھی اگر کوئی شخص حکومت وقت کے حکم کی تحقیر و تذلیل کرتا ہوا مندر یا مسجد بلا اجازت تعمیر کرلے تو اُس مسجد یا مندر کو میونسپلٹی کے مزدور سرکاری اہلکار کی نگرانی میں ڈھا کر زمین کی برابر کردیں گے اور اس قسم کے واقعات بعض شہروں میں دیکھے جا چکے ہیں۔ بنارس کے تذکرے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کا ایک فرمان اس جگہ درج کر دیا جائے اور خود عالمگیر کو اپنی صفائی پیش کرنے کے حق سے محروم نہ رکھا جائے :-

فرمان عالمگیر بنام ناظمِ بنارس

(مہر اورنگزیب)

لایق العنایت والرحمت ابوالحسن بالتفات شاہانہ اُمیدوار بودہ بداند کہ چوں بمقتضائے مراحم ذاتی و مکارم جبلی ہمگی ہمت والانہمت وتمامی نیت حق نیت مابر رفاہیت جمہور۔ انام و انتظام احوال طبقات خواص و عوام معروف است واز روئے شرع شریف وملت حنیف مقرر چنیں است کہ دیرہاے دیرین بر انداختہ نشود وبت کدہا تازہ بنا نیابد ودریں ایام معدلت انتظام بعرض اشرفِ اقدس ارفع اعلیٰ رسید کہ بعض مردم از راہ عنف و تعدی بہ ہنود سکنۂ قصبۂ بنارس و برخے امکنۂ دیگر کہ بنواحی آں واقع است وجماعت برہمناں سدنۂ آں محال کہ سدانت تبخانہ ہائے قدیم آنجا بآنہا تعلق دارد ومزاحم ومتعرض میشوند و می خواہند کہ ایناں را از سدانت آں کہ از مدت مدید بایں ہا متعلق است باز دارند و ایں معنی باعثِ پریشانی و تفرقہ حال ایں گروہ میگردد لہٰذا

(مہر اورنگزیب)

لایق العنایت والرحمت ابوالحسن بالتفات شاہانہ اُمیدوار بودہ بداند کہ چونکہ مراحم ذاتی اور مکارم جبلی کے تقاضے سے ہماری ہمتِ بلند اور نیتِ حق پسند تمام رعایا کی بہبودی اور خواص و عوام کے تمام طبقات کی بھلائی میں مصروف ہے۔ اور شریعت غرا اور ملت اسلام کا قانون بھی یہی ہے کہ قدیم مندروں کو ہرگز منہدم اور برباد نہ کیا جائے اور جدید بتخانے بلا اجازت تعمیر نہ ہوں۔ آجکل ہمارے گوش گزار یہ بات ہوئی ہے کہ بعض عمال از راہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور اُس کے نواحی مقامات کے رہنے والے ہندوؤں اور برہمنوں پر جو قدیم مندروں کے پروہت ہیں تشدد اور زیادتی کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ برہمنوں کو اُن کی پروہتی سے جو اُن کا قدیمی حق ہے الگ کر دیں۔ جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہو کر مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے تم (ابوالحسن) کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس فرمان کے پہونچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص اُس علاقے کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ

حکم والا صادر میشود کہ بعد از ورود
ایں منشور لامع النور مقرر کنند کہ من بعد
احدے بوجوہ بے حساب تعرض و
تشویش باحوال برہمناں و دیگر ہنود
متوطنۂ آں محال نرسانند تا آنہا
بدستور ایام پیشین بجا و مقام خود بودہ
بجمعیت خاطر بدعائے بقائے
دولت خداداد ابد مدت ازل بنیاد
قیام نمایند دریں باب تاکید دانند
بتاریخ ۱۵ شہر جمادی الثانیہ سنہ ۱۰۶۹ھ
نوشتہ شدہ

کسی قسم کی زیادتی نہ کرے اور ان کو
کسی تشویش میں مبتلا نہ ہونے دے
تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی
جگہ پر اور اپنے منصبوں پر قائم
رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ
ہماری دولتِ خداداد کے
حق میں مصروف دعا رہے اس
معاملے میں تاکید اکید جانو۔

۱۵ جمادی الثانی
سنہ ۱۰۶۹ھ

مندرجۂ بالا فرمان کے متعلق ضروری بیان یہ ہے کہ انگلستان کے ایک مستشرق لفٹنٹ کرنل ڈی۔ سی فلٹ کو ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء میں بنارس جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں اُن کو اورنگزیب کے فرمان کا فوٹو ہاتھ آیا۔ کرنل فلٹ اس زمانے کی پُرشرارت تاریخوں اور مشہور کی ہوئی کہانیوں میں پڑھ چکا تھا کہ اورنگزیب ہندوؤں اور ہندوؤں کے مندروں کا جانی دشمن تھا۔ لہٰذا اسکو اس فرمان کی صداقت میں شک ہوا اور اُس نے اصل فرمان کو دیکھنا ضروری سمجھا اور وہ دوبارہ بنارس گیا اور اُس نے بنارس کے کوتوال شہر کی امداد سے اصل فرمان بھی دیکھ لیا۔ اُس فرمان کے متعلق خان بہادر محمد طیب صاحب کوتوال بنارس نے مندرجۂ ذیل بیان دیا ہے:

"بنارس کے محلہ سنگلا گوری میں گوپی اُپادھیا نامی ایک برہمن رہتا تھا جسے گزرے ہوئے پندرہ سال ہوئے ہیں۔ اُس کی یادگار صرف ایک نواسہ ہے جسے منگل پانڈے کہتے ہیں۔ اور وہ بھی محلہ سنگلا گوری میں رہتا ہے۔ نانا کے انتقال پر دوسرے خاندانی کاغذات کے ساتھ شہنشاہ اورنگزیب کا یہ فرمان بھی ترکہ میں ملا۔ ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۵ء کو منگل پانڈے نے بنارس کے کلکٹر کی عدالت میں ایک استغاثہ دائر کیا اور میں کلکٹر صاحب کے

حکم سے ابتدائی تحقیقات پر مامور تھا منگل پانڈے ایک گھاٹیا برہمن ہے جو دریا کے گھاٹ پر بیٹھا رہتا ہے اور پجاری کی خدمات انجام دیتا ہے جو جاتری اشنان کرنے کے لئے آتے ہیں انھیں پوجا کراتا ہے۔ اور پوجا کی رسموں کے لئے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ انھیں خرید کر دیتا ہے۔ پچھلے دنوں گجرات کی چند عورتیں اپنے ملک کی رسم کے مطابق گھاٹ پر دھرنا دیکر بیٹھ گئیں اور رونا اور بین کرنا شروع کر دیا اس سے دوسرے پجاریوں کی عبادت میں خلل پڑنے لگا منگل پانڈے نے انھیں روکا کہ اگر تم یونہی روؤ چلاؤ گی تو کوئی دوسرا پجاری اس گھاٹ پر نہ آئے گا اور میرا نقصان ہوگا اس پر منگل میں اور ان بی بیوں میں تنازعہ ہوگیا اور ا سے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس گھاٹ کے اس حصے کی پروہتی کے لئے کوئی قانونی دستاویز بھی موجود ہے یا نہیں اگر ہے تو پیش کرو۔ اس مطالبے کے جواب میں اس نے اور اس کے نوکر بابو نندلال نے متعدد کاغذات مجھے دکھائے اور شہنشاہ اورنگزیب کا فرمان بھی انہی میں موجود تھا۔ یہ فرمان اب بھی اس کے قبضے میں موجود ہے۔

ان تصریحات کے بعد کرنل فلٹ کے سارے شکوک جاتے رہے اور فرمان کو جس کی پشت پر اورنگزیب کے بیٹے شہزادہ محمد سلطان کی مہر ثبت ہے بنظر غائر دیکھنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہونچے کہ فرمان اورنگزیب ہی کا جاری کیا ہوا ہے اور اس کے پڑھنے کے بعد خواہ مخواہ ماننا پڑتا ہے کہ اورنگزیب ایسا نہیں تھا جیسا اس کے نکتہ چین اسے ظاہر کرتے ہیں؟"

مسٹر فلٹ نے اس فرمان کو شائع کر دیا ہے اور میں نے اس جگہ وقائع عالمگیری مؤلفہ چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی سے اس فرمان اور اس کے متعلقہ حالات کو نقل کیا ہے۔

انتخاب لاجواب لاہور مورخہ ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء کے حوالے سے عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کا ایک اور فرمان ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ جس میں ایک غیر مسلم کے نام مذہبی امور کے لئے زمین وقف کی گئی ہے

"متصدیان مہمات حال و استقبال قصبہ وہران گاؤں وغیرہ دیہات تعلقہ پرگنہ ارنڈول بحال جاگیر اینجانب بدانند کہ چوں موازی دو پرتن زمین بنجر خارج جمع لائق زراعت

از موضع بھاگاؤں معمور پرگنۂ مذکور در وجہ خیرات باسم رنگ بھٹ ولا بنیک بھٹ سکنہ ارنڈول مقرر گشتہ باید کہ اراضی مذکور تصدق فرق مبارک بندگان حضرت نمودہ چک بستہ تبصرف مشارٌ الیہ واگزارند۔ تا حاصلات آنرا صرفِ معیشتِ خود نمودہ بہ دعائے از دیاد عمر دولت ابد مدت اشتغال می نمودہ باشد و بہ ہیچ وجہ حاصل آر اراضی مذکور مزاحم و متعرض مشارٌ الیہ نشوند دریں باب تاکید اکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند" غرۂ شعبان ۴۳ھ

تعجب اس بات پر ہے کہ عالمگیر کے باپ شاہجہاں نے بنارس میں ۷۶ مندروں کو مسمار کرایا مگر اُس کو کوئی الزام نہیں دیتا اور عالمگیر کو رسوائے کوچہ و بازار بنا دیا گیا؛

طالع شہرت و رسوائی مجنوں بیش است ؎ ورنہ طشت من و او ہر دو زیکبام افتاد

باب ششم

مندروں اور مورتیوں کو ہندوؤں نے زیادہ توڑا یا مسلمانوں نے

ہندوؤں میں اگرچہ لاتعداد مذہبی گروہ موجود ہیں لیکن ویدوں کی عظمت کے عموماً سب قائل ہیں اور ویدوں کو اپنے مذہب کی اصل بنیاد قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا ابہت سے بدعتی اور بعد کے ایجاد شدہ مذہبی فرقوں سے قطع نظر ویدک دھرم پر غور کیا جاتا ہے تو اُس میں نہ کہیں مندروں کا تذکرہ ہے اور نہ مورتیوں کا۔ پس جبکہ ہندو مذہب کی اصل اور بنیاد میں بت پرستی موجود نہیں ہے اور بت پرستی کا رواج اس ملک میں زیادہ تر بُدھ مذہب کی اشاعت کے بعد ہی پایا جاتا ہے تو بت پرستی کو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ بُدھ مذہب کی نشانی ہے جو ہندو مذہب کا جزو بنکر آجتک موجود ہے۔ اس بدعتی چیز یعنی بت پرستی کو چونکہ ہندوؤں نے اپنی چیز بنا رکھا ہے لہٰذا مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اِس بات کا فیصلہ کریں کہ بت پرستی ہندوؤں کے مذہب کی اصل چیز ہے یا

الحاق ۔ اور اس لئے مسلمانوں کا یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ ہندوؤں کی عبادت گاہوں یعنی بت خانوں اور مورتیوں کو کوئی نقصان پہونچائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی ہے کہ مسلمانوں نے سب سے پہلے سندھ کا ملک فتح کیا اور وہاں کے بت خانوں کو مطلق آزار نہیں پہونچایا بلکہ اپنی ہندو رعایا کے ان معبدوں یعنی بتخانوں کی حفاظت کا فرض انجام دیا اور ہندوؤں کی خواہش کے موافق بتخانوں کے لئے سرکاری خزانے سے روپیہ خرچ کیا ۔ قطب الدین ایبک شمالی ہند میں سب سے پہلا مسلمان پادشاہ تھا اس کے بعد سے لیکر عالمگیر کے آخر عہد حکومت تک کے طویل زمانے میں مسلمانوں نے گنتی کے چند مندر ضرور ڈھائے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ ہندوؤں کے عبادت خانے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ان کی حکومت سلطنت کی بنیاد اکھیڑ دینے کی تدبیروں کے سازش خانے تھے ۔ سیاسی مجبوریوں اور مذہبی منافرت میں فرق نہ کرنا انتہائی حماقت اور سراسر ظلم ہے ۔ سیاسی ضرورت ۔ ملکی اغراض اور بندگان خدا کے امن و امان کو قایم اور باقی رکھنے کے لئے اگر کسی ضرر رساں مسجد کے بھی ڈھانے کی ضرورت پیش آجائے تو اسلام مسلمانوں کو اجازت دیتا ہے کہ فتنے کے سد باب اور مخلوق کے امن کے لئے مسجد ضرار کو بھی ڈھادیا جائے ۔ چنانچہ ابتدائے اسلام ہی میں اس کی مثال قایم کردی گئی تھی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابیوں رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے ہاتھوں سے ایک مسجد کو ڈھاکر زمین کے برابر ہموار کردیا تھا ۔

رومن کیتھلک نے پراٹسٹنٹوں کے اور پراٹسٹنٹوں نے رومن کیتھلکوں کے کس قدر گرجے ڈھائے جینیوں نے برہمنوں کے اور برہمنی مذہب والوں نے بودھوں اور جینیوں کے کس قدر مندر مسمار کئے ۔ اس کی تفصیل تاریخوں میں موجود ہے ۔ لیکن یہ سب گرجے اور سب مندر محض مذہبی منافرت کی وجہ سے ڈھائے گئے ۔ فتنہ و فساد کے مٹانے ۔ امن قایم کرنے اور تباہ کن سازشوں کو روکنے کے لئے نہیں ڈھائے گئے ۔ اسلام نے جہاں مخلوق خدا کی جان و مال کی حفاظت اور دنیا میں امن و امان قایم کرنے کو ضروری قرار دیا ہے وہاں محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے کسی عبادت خانے کو مسمار کرنے اور ڈھانے سے روکا ہے ۔ بلکہ ہر مذہب کے عبادت خانوں کی حفاظت کرنا مسلمانوں کا فرض قرار دیا ہے ۔ اب ہر شخص غور کرسکتا ہے کہ اسلامی اصول کس قدر صحیح اور ضروری ہے ۔ اگر ہندوستان کے مسلمان پادشاہوں نے اسلامی احکام کے خلاف کوئی حرکت کی ہے تو ہندوؤں سے زیادہ

مسلمان اس کی مذمت کرنے کو موجود ہیں۔ پادشاہ اپنی پادشاہت اور سلطنت کے بچانے اور قایم رکھنے کے لئے اپنے باپ اور بھائی تک کو قتل کر دیتا ہے۔ اس کے اس فعل بد کا الزام اُسی پر عائد ہو سکتا ہے نہ کہ اُس کی ساری قوم اور اُس کے سارے ہم مذہب لوگوں پر۔ بہرحال مسلمان پادشاہوں میں سے اگر کسی نے مندر کو ڈھایا یا مورتیوں کو نقصان پہونچایا تو اُن مندروں اور مورتیوں کی تعداد اور گنتی سب کو معلوم اور تاریخ کی کتابوں میں مندرج اور محفوظ ہے اور وہ بہت ہی قلیل ہے۔ لیکن مسلمان سلاطین۔ بالخصوص عالمگیر پر مندروں اور بتوں کے توڑنے کا الزام لگانے والے اس بات کو بالکل بھول جاتے ہیں کہ ہندوستان میں بتوں اور بت خانوں کا وجود جینیوں اور بدھوں کے دم قدم سے تھا اور ان لوگوں کے لاتعداد بت شنکر اچاریہ برہمن نے ہندوستان کے ہر گوشے میں توڑے اور آج ہندوستان میں جس قدر بھی ٹوٹے ہوئے بت پائے جاتے ہیں وہ سارے کے سارے ہی شنکر اچاریہ مہاراج اور اُن کے چیلوں اور معتقد راجاؤں کے توڑے ہوئے ہیں اور ہندوستان کے طول و عرض میں جہاں کہیں یہ ٹوٹے پھوٹے بت پائے جاتے ہیں ان کی شکست کا الزام اورنگزیب کے سر تھوپ دیا جاتا ہے اور ہر شخص اس کو سچ سمجھ لیتا ہے ؎

قابلِ رحم ہے اُس شخص کی رسوائی بھی ٭ پردے پردے ہی میں کمبخت جو رسوا ہو جائے

میں مذکورہ حقیقت کے ثبوت میں اپنی طرف سے کچھ زیادہ عرض کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ ذیل میں بعض مشہور ہندوؤں کے الفاظ نقل کرتا ہوں:۔

پنڈت لیکھرام اور شنکر اچاریہ

پنڈت لیکھرام آریہ مسافر اپنی کتاب "کلیات آریہ مسافر" کے صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"عرصہ ۲۴۰۰ سال کا گزرتا ہے کہ علاقہ نیپال میں ایک شخص ساکھی سنگھ نامی (گوتم بدھ) نے جو کہ ناستک تھا بودھ مت چلایا۔ راج کا زور بھی ساتھ تھا اور اُسی لالچ سے بہت سے پیٹ پالک برہمن اُس کے ساتھ ہو گئے جس سے بدھ مت سارے ہندوستان میں پھیل گیا کاشی۔ کشمیر۔ قنوج کے سوائے کوئی شہر ہندوستان میں ایسا نہ رہا جو بدھ نہ ہو گیا ہو جب یہ مت بہت بڑھ گیا اور لوگ وید دھرم سے پتت ہوئے یگیوپویت آدک سنکار چھوڑ بیٹھے تب

(بقول ہنٹر صاحب نویں صدی عیسوی میں) ایک مہاتما شنکر آچاریہ نے کمر ہمت باندھی اور ششوں کو ساتھ لیکر بودھوں سے شاستر ارتھ کرنا شروع کیا۔ بھلا ناستک لوگوں کے دلائل و یکتیاں وید اور شاستر کے جاننے والے کے سامنے کیا اثر کرسکتی ہیں ایک دو خاص خاص مقامات میں فتحیاب ہونے کے سبب شنکر سوامی (شنکر آچاریہ) کا آوازہ بلند ہوگیا۔ بہت سے راجاؤں نے ویدک دھرم قبول کرلیا۔ دس بارہ سال کے اندر ہی شنکر اچاریہ کے شاستر ارتھوں کے سبب تمام ملک میں بودھوں کے ہاں ہل چل پڑ گئی۔ شنکر اچاریہ کے مباحثوں میں یہ شرائط ہوتی تھیں (۱) جو ہار جائے یعنی مباحثے میں شکست کھائے وہ دوسرے کا دھرم قبول کرلے۔ (۲) اگر سادھو ہو تو چیلا یعنی سنیاسی کا شاگرد ہو جائے (۳) اگر دونوں باتیں نامنظور ہوں تو ملک آریہ ورت (ہندوستان) کو چھوڑ جائے۔ ان تین شرطوں کے سبب کروڑوں بودھ اور جین پھر ویدک دھرم میں آئے اور پرائشچت کروائے۔ اُن کو شنکر سوامی نے گایتری بتلائی اور یگیوپویت پہنائے جو بہت ہٹ دھرمی تھے اور تعصب کی آگ میں جل رہے تھے اس قسم کے لاکھوں آدمی آریہ ورت سے جلاوطن کئے گئے راجگان کی طرف سے کشمیر۔ نیپال۔ کیپ کماری۔ سورت۔ بنگال وغیرہ کے سرحدی مقامات پر سنیاسیوں کے مٹھ بنائے گئے اور وہاں فوج بھی رہی تاکہ جو بدھ لوگ خارج کئے جائیں وہ پھر واپس نہ آسکیں۔ اس کا صاف ثبوت یہ ہے کہ ہندوستان میں سے وہ دھرم پیدا ہوا اور ایک وقت سارا ہندوستان بودھ تھا۔ مگر اب ہند میں اُس مت کا ایک آدمی بھی نظر نہیں آتا۔ ہند کے چاروں طرف لنکا۔ برہما۔ چین۔ جاپان۔ روس افغانستان۔ کافرستان۔ بلوچستان وغیرہ میں کروڑوں بدھ موجود ہیں جینی لوگ اب بھی ہند میں بہت ہی کم یعنی چھ سات لاکھ ہیں اور یہی لوگ ہیں جو چھپ چھپا کر کہیں گمنام طور پر رہ گئے۔ مہاتما شنکر اچاریہ جی ۳۲ سال کی عمر میں مر گئے ورنہ دیکھتے کہ وہی رشیوں منیوں کا زمانہ پھر موجود ہو جاتا۔۔۔۔۔ پچیس ۲۵ کروڑ آدمی۔۔ پرائشچت کرا گایتری پڑھ یگیوپویت پہن ورن آشرم دھرم میں آگئے۔ حالانکہ چار سو پانسو برس تک وہ بدھ اور جین رہے۔ بودھ لوگ ورن آشرم کو نہیں مانتے۔"

اس طویل اقتباس کے متعلق میں کسی رائے زنی کی ضرورت نہیں سمجھتا اور نہ اس بات کے بتانے کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ شنکر آچاریہ کی مذکورہ ہر سہ شرائط آیا مذہبی آزادی کی باقی رکھنے والی تھیں یا مذہبی آزادی کے گلے پر چھری پھیرنے والی۔ بلکہ اس مندرجہ بالا طویل اقتباس کی شرح جناب پنڈت دیانند سرستی صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ میں تلاش کیجئے۔

پنڈت دیانند سرستی اور شنکر آچاریہ

پنڈت دیانند سرستی صاحب اپنی مشہور آفاق کتاب موسومہ "ستیارتھ پرکاش" کے گیارھویں باب میں شنکر آچاریہ کا جو حال لکھتے ہیں اُس کو ستیارتھ پرکاش کے اُس اردو ترجمے سے نقل کرتا ہوں جو پنجاب پرتی ندھی سبھا نے لاہور میں چوتھی مرتبہ چھپوایا اور جس کے ٹائیٹل پیج پر سب سے اوپر لفظ "مستند اردو ترجمہ" چھپا ہوا ہے۔ وھو ہٰذا

"شنکر اچاریہ دراوڑ ملک میں پیدا شدہ برہمن برہمچریہ سے ویاکرن وغیرہ سب شاستروں کو پڑھکر سوچنے لگے کہ آہ سچے پرمیشور کے تسلیم و ہدایت کرنے والے ویدمت کا چھوٹنا اور جین پرمیشور کے نہ ماننے والے مت کا رائج ہونا بڑے نقصان کی بات ہوئی اس کو کسی طرح رفع کرنا چاہیئے۔ شنکر آچاریہ جی شاستر کے علاوہ جین مت کی کتابوں کو بھی پڑھے تھے اور اُن کی دلیل بھی بہت مضبوط تھی اُنہوں نے سوچا کہ ان کو کس طرح ہٹاویں۔ یقین ہوا کہ وعظ اور مباحثہ کرنے سے یہ لوگ ہٹیں گے۔ ایسا سوچکر اُجین شہر میں آئے۔ وہاں اس وقت سودھنوا راجہ تھا جو جینیوں کی کتابیں اور کچھ سنسکرت بھی پڑھا تھا۔ وہاں جا کر وید کا اپدیش کرنے لگے اور راجہ سے ملکر کہا کہ آپ سنسکرت اور جینیوں کی بھی کتابیں پڑھے ہو اور جین مت کو مانتے ہو اس لئے آپ کو میں کہتا ہوں کہ جینیوں کے پنڈتوں کے ساتھ میرا مباحثہ کرائیے اس شرط پر کہ جو ہارے وہ جیتنے والے کا مذہب اختیار کرے اور آپ بھی جیتنے والے کا مذہب قبول کیجئے گا۔ اگرچہ سودھنوا راجہ جین مت میں تھا تو بھی سنسکرت کی کتابیں پڑھنے سے اُس کی عقل میں کچھ علم کی روشنی تھی۔ اِس لئے اُس کے دل میں پرلے درجے کی سوچ سمجھ سکنے کی ناقابلیت نہیں چھائی تھی کیونکہ جو عالم ہوتا ہے

وہ سچ جھوٹ کی آزمائش کر کے سچ کو قبول اور جھوٹ کو چھوڑ دیتا ہے جب تک سودھنوا راجہ کو بڑا عالم اپدیشک (واعظ) نہیں ملا تھا تب تک شک میں تھے کہ ان میں کونسا سچا اور کونسا جھوٹا ہے جب شنکراچاریہ کی یہ بات سنی تو بڑی خوشی کے ساتھ بولے کہ ہم شاستراتھ کراکر سچ جھوٹ کا فیصلہ ضرور کرائیں گے جینیوں کے پنڈتوں کو دُور دُور سے بلاکر سبھا کرائی۔ اس میں شنکراچاریہ کا ویدمت اور جینیوں کا وید۔ کے برخلاف مت تھا۔ یعنی شنکراچاریہ کا پکش (دعویٰ) ویدمت کی تائید اور جینیوں کی تردید اور جینیوں کا پکش اپنے مت کی تائید اور وید کی تردید تھا۔ مباحثہ کئی روز تک ہوا . . . .

. . آخر ش دلیل اور حوالے سے جینیوں کا مت شکست یاب ہوا اور شنکراچاریہ کا مت قائم رہا۔ تب اُن جینیوں کے پنڈت اور سودھنوا راجہ نے ویدمت کو قبول کر لیا اور جین مت کو چھوڑ دیا پھر بڑا شور وشر ہوا۔ اور سودھنوا راجہ نے دیگر اپنے دوست آشنا راجاؤں کو لکھ کر شنکراچاریہ سے مباحثہ کرایا۔ لیکن جینیوں کی شکست کا زمانہ آپہنچا تھا شکست کھاتے گئے۔ . . . بعدازاں شنکراچاریہ کے آریہ ورت ملک میں ہر جگہ گھومنے کا انتظام سودھنوا وغیرہ راجاؤں نے کر دیا اور اُن کی حفاظت کے لئے نوکر چاکر بھی رکھ دیئے اُسی وقت سے سب کے یگیوپویت ہونے لگے اور ویدوں کی درس وتدریس نے رواج پکڑا۔ دس سال کے اندر سارے آریہ ورت ملک میں گھوم کر جینیوں کی تردید اور ویدوں کی تائید کی۔ شنکراچاریہ کے وقت میں جین ودھونس ہوئے۔ یعنی اب جتنے بت جینیوں کے نکلتے ہیں وہ شنکراچاریہ کے وقت میں ٹوٹے تھے اور جو بغیر ٹوٹے نکلتے ہیں وہ جینیوں نے زمین میں گاڑ دیئے تھے کہ توڑے نہ جائیں وہ اب تک کہیں کہیں زمین میں سے نکلتے ہیں۔ شنکراچاریہ کے پہلے شیومت بھی تھوڑا سا رائج تھا اُس نے اس کی اور بام مارگ کی بھی تردید کی۔ (یعنی شیومت کے بتوں کو بھی اسی طرح توڑا) اُس وقت ملک میں دولت بہت تھی اور لوگوں کے دلوں میں ملکی ہمدردی کا خیال بھی تھا جینیوں کے مندر دیتخالوں کی عمارتیں اشنکراچاریہ اور سودھنوا راجہ نے نہیں تڑوائے تھے کیونکہ

اُن میں وید وغیرہ کی پاٹھ شالائیں بنانے کا ارادہ تھا۔"

مذکورہ بالا دونوں ہندو پنڈتوں کے بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہندوستان میں شنکر اچاریہ نے بت شکنی کا کام کس عظیم الشان پیمانے پر انجام دیا تھا اور بتوں کے توڑنے اور بت پرستوں کو جلاوطن کرنے میں ہندوستان کے راجاؤں کی متحدہ کوششیں شنکر اچاریہ کے ساتھ تھیں۔ پنڈت دیانند جی کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ صرف وہی بت سالم رہے جن کو زمین کے نیچے بت پرستوں نے دبا دیا تھا۔ اپنی دانست میں تو شنکر اچاریہ جی نے ایک بھی مورتی صحیح سالم نہیں چھوڑی تھی۔ یہاں تک تو واقعات کی تاریخی حیثیت تھی۔ اب اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ مورتیوں یعنی بتوں کے خلاف پنڈت دیانند سرستی صاحب اور پنڈت لیکھرام صاحب نے دوسرے مقامات پر اپنی تصانیف میں کس قسم کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں تو عالمگیر کی بت شکنی کے فرضی افسانے اُس کے سامنے ہیچ نظر آنے لگتے ہیں اور مذکورہ پنڈتوں کے الفاظ مورتیوں اور مورتی پوجا کے متعلق اگر نقل کئے جائیں تو اندیشہ ہے کہ ہم پر محض نقل کرنے کی وجہ سے لائبل کیس نہ چلا دیا جائے۔ مندروں کے توڑنے کے متعلق بھی صاف ظاہر ہے کہ جن مندروں کو پاٹھ شالا یا درسگاہ بنایا جا سکتا تھا اُن کو نہیں توڑا۔ عبادت خانوں کو مدرسوں میں تبدیل کیا گیا۔ اس تبادلہ اور اُس تبادلے میں کہ مندر کو مسجد بنایا گیا کچھ زیادہ فرق نہیں ہے جس نے مندر کو مدرسہ بنایا اُس نے عبادت خانے کے مرتبے کو گھٹایا اور جس نے مندر کو مسجد بنایا اُس نے عبادت خانے کو عبادت خانہ ہی رکھا پھر مندر کو مسجد بنانے کا تو کوئی ایک دو واقعہ ہی سرزد ہوا لیکن مندروں کو مسمار کرنے یا مندروں کو مکتب بنانے کے واقعات تو لاتعداد ہوئے اور خود ہندوؤں ہی کے ہاتھوں ہوئے۔ فتدبروا۔

بابو رام نرائن صاحب اور عالمگیر و شنکر اچاریہ کی بت شکنی

جناب بابو رام نرائن صاحب سابق منیجر ریاست رام نگر ضلع بارہ بنکی کا ایک مضمون رسالہ صوفی کی اکتوبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں "شاہ عالمگیر پر تاریخی نظر" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ میں ذیل میں رسالہ مذکور سے اُس مضمون کی حرف بحرف نقل کرتا ہوں:۔

"سلطان محی الدین اورنگزیب غازی بادشاہ کو عام طور پر متعصب کا خطاب دیا جاتا ہے

اور کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے ہندوؤں کے معبدگاہ تباہ و برباد کیئے اور انواع واقسام سے ہندوؤں کو تکلیف پہونچائی مگر یہ غور طلب ہے کہ یہ افواہیں کس حد تک صحیح اور درست ہیں اور کس حد تک غلط تاریخی آمیزش ہے۔ جس کا وجود محض قیاسات یا بازاری خبروں پر پایا جاتا ہے۔ میری سمجھ میں مندروں کی تباہی یا بربادی مذہبی تعصب پر مبنی نہیں ہے بلکہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی ہو تو وہ پولیٹیکل مصالح اور اسوقت کے واقعات سے متعلق ہے۔ پادشاہ ممدوح الشان کے غیر متعصب ہونے یا عموماً بت شکن نہ ہونے کے وجوہ حسب ذیل ہیں (۱) سیتاپور میں مصرکھ ہندوؤں کا ایک مشہور معبد ہے۔ مصرکھ کے مہنت کے پاس پادشاہ عالمگیر کی عطا کی ہوئی ایک شاہی سند موجود ہے۔ جس کے ذریعے بہت سے مواضعات مہنت موصوف کو مصارف مذہبی کے لئے عطا کئے گئے تھے ازاں جملہ چند مواضعات ابتک مہنت موصوف کے قبضے میں موجود ہیں (۲) مضافات متھرا چند میل کے فاصلے پر ایک مقام بلدیو داور ہے۔ یہاں پر بلدیوجی کا مندر ہے اور اس مندر کے مصارف کے لئے پادشاہ اورنگزیب نے بہت سے مواضعات عطا کئے ہیں جو ابتک مندر مذکور کے قبضے میں ہیں اور اسی طرح ممکن ہے کہ بہت سے ہندو منادر کے لئے پادشاہ موصوف کی طرف سے معافیات عطا کی گئی ہوں (۳) لب دریائے جمنا الہ آباد کا قلعہ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں تعمیر ہوا تھا۔ اس قلعے کے اندر ہندوؤں کی ایک معبدگاہ ایک وسیع تہ خانے کے اندر ابتک موجود ہے۔ اس تہ خانے کے اندر ایک برگد کا درخت ہے اور ہزاروں کی تعداد میں ہندوؤں کی مذہبی مورتیاں استھاپت ہیں۔ ہزارہا ہندو اس وقت تک درشن کے لئے آتے جاتے ہیں۔ ہندو پنڈت اور پوجاری اس کے اندر اپنے عقائد کے بموجب پوجا کے مراسم ادا کرتے ہیں یہ قلعہ مسلمہ طور پر پادشاہ اورنگزیب کے قبضے میں تھا اور پادشاہ موصوف اس معبد کو نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ تباہ و مسمار کر سکتے تھے۔ مورتیوں کی ساخت اور جسامت سے پایا جاتا ہے کہ یہ مورتیں ہزارہا سال کی بنی ہوئی ہیں اور ان مورتوں میں سے کوئی بھی مورت توڑی ہوئی نہیں ہے۔ اگر مذہباً پادشاہ اورنگزیب کو بت شکنی کی

عادت ہوتی تو سب سے پہلے ان مورتوں کا قلع قمع کر دیا گیا ہوتا۔ دلم، آج یہ عام طریقہ ہوگیا ہے کہ جہاں کوئی توڑی ہوئی مورت ملجاتی ہے۔ اس کو لوگ اورنگزیب کی توڑی مورت بتادیتے ہیں۔ لیکن اصلیت یہ نہیں ہے۔ سوامی شنکر اچاریہ کے زمانے میں جین اور بدھ مذہب کے خلاف معرکہ آرائی ہوئی تھی اور اس وقت کی ہزار ہا جین و بدھ مذہب کی شکستہ مورتیں آجکل لاعلمی سے ہندو مندروں میں استھاپن ہیں جن کو میں نے بچشم خود بغور دیکھا ہے۔ اور کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ مورتیں اورنگزیب کی توڑی ہوئی ہیں دبقول شخصے کرے مونچھوں والا پکڑا جائے داڑھی والا۔)

ہندوؤں کی بت شکنی پر لالہ لاجپت رائے کی گواہی

لالہ لاجپت رائے صاحب اپنی تاریخ ہند حصہ اول میں لکھتے ہیں کہ:۔

پانڈیا خاندان کے ایک راجہ کونامی نے (جس کو سندر اور سندو مارن بھی کہا ہے) جینیوں کو بہت ستایا۔ اول یہ راجہ خود بڑا کٹر جینی تھا۔ پھر وہ اپنی رانی کی ترغیب سے شیو مت کا اوپاسک ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے آٹھ ہزار جینیوں کا چمڑا اتروا کر ان کو نہایت عذاب سے مارا۔" (دیکھو صفحہ ۲۵۰)

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۹۸ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"مہندر وورمان پلو خاندان کے راجہ نے جو ابتدا ًجین تھا پھر اس نے شیو مت اختیار کیا اور جینیوں کے مشہور مٹھ پاٹلی پتر کو جو جنوبی ارکاٹ میں تھا تباہ کیا۔"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۳۰۰ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

گنگا خاندان کے ایک راجہ اننت ورما چور اگنگا نے پوری میں جگناتھ کا مندر بنایا اس خاندان کے بعض راجاؤں نے جین ہونے کی وجہ سے شیو مت والوں پر اور بعض نے شیوی ہو کر جین دھرم والوں پر سختی کی۔"

ان ہندو راجاؤں کے توڑے ہوئے مندروں کو جو جنوبی ہند اور اڑیسہ میں بکثرت شکستہ حالت میں پائے جاتے ہیں اور شکستہ مورتیوں کو بھی اگر کسی کا جی چاہے تو اورنگزیب ہی کے سر پر ناشائی

تھوپ سکتا ہے:

مسلمان نہ مندر شکن تھے نہ متعصب

محمد بن قاسم کی مندر نوازی و برہمن نوازی کا ذکر اوپر آچکا ہے اور کئی ہندو مورخین و محققین نے محمد بن قاسم کی برہمن نوازی اور مندروں کے لئے سیر چشمی سے روپیہ صرف کرنے کا ذکر واضح الفاظ میں کیا ہے۔ مارکوپولو نے اپنے سفرنامے کی دوسری جلد صفحہ ۳۱۰ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ "مسلمان بادشاہوں کی طرف سے مندروں کے واسطے اراضی کا وقف ہونا اگرچہ شاذ و نادر تھا۔ لیکن یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ بالکل معدوم تھا۔" مسٹر رچرڈ ٹیمپل اپنی کتاب ہندوستان مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء کے صفحہ ۱۶۴ میں لکھتے ہیں کہ "اگرچہ مذہبی آزادی کا اصول جس کو اکبر اعظم کے دور حکومت میں سب سے زیادہ ترقی ہوئی۔ ہندوؤں کے مذہب کے ساتھ اکثر برتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ شاہی اوقاف جو مندروں کے لئے مقرر ہوتے تھے ان کا لحاظ ہوتا تھا اور بدنامی کے خوف نے ہندوؤں کے مذہب میں دست اندازی نہ کرنے کی تعلیم دیدی تھی۔" ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامے میں رسم ستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ "مسلمانوں کی سلطنت کا یہ ایک جزو لازم ہے کہ وہ ہندوؤں کی خصوصیات میں دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے مذہبی رسوم کے بجالانے میں ان کو آزادی دیتے ہیں۔ تاہم ستی کی رسم کو بعض ایچ پیچ کے طریقوں سے روکتے ہیں۔ یہانتک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبے کے حاکم کے ستی نہیں ہو سکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جبتک کہ قطعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے ارادے سے ہرگز باز نہ آئے گی۔" اسی سفرنامے کی جلد دوم صفحہ ۱۵۷ میں لکھا ہے کہ "سلاطین مغلیہ اگرچہ مسلمان ہیں۔ لیکن ان پرانی رسموں کے آزادانہ طور پر بجالانے کو اس خیال سے منع نہیں کرتے کہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنا ہی نہیں چاہتے۔" موسیو تھیونو فرانسیسی سیاح جس نے عہد اورنگزیب میں ۱۶۵۵ء سے ۱۶۶۸ء تک ہندوستان کی سیاحت کی ہے اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ "اکثر بستیوں میں مندر بنے ہوئے تھے۔ ہندو لوگ گاڑیوں میں جاتے ہوئے جابجا ملتے تھے۔ وہ ان مندروں میں اپنی پوجا کے واسطے جاتے تھے۔" رائے بہادر لالہ بیجناتھ صاحب اپنی کتاب "ہندوستان گزشتہ و حال" میں لکھتے ہیں کہ

"ہندوؤں کے مذہب میں کوئی مداخلت (عہدِ اسلامی میں) نہیں کیجاتی تھی۔ نہ اُن سے کوئی دشمنی کا برتاؤ ہوتا تھا۔ بہت سے ہندو حساب اور مال کے محکموں میں نوکر تھے۔ مبارک شاہ خلجی کے وقت میں کل گورنمنٹ کا طریقہ ہندوانہ تھا اور ہندو لوگ اپنے مذہب کو کم تبدیل کرتے تھے۔" اسلامی عہد حکومت میں مذہبی آزادی کا یہ حال تھا کہ ہندوؤں کے بڑے بڑے واعظ۔ اصلاح کنندگان اور موجدان مذہب نہایت آزادی سے اپنے مذہب اور طریقے کی اشاعت میں سرگرم تھے اور کوئی اُن کو نہ روکتا ٹوکتا تھا اور جب تک کوئی شخص ملک کے پولیٹیکل معاملات سے الگ رہتا کبھی اس کے مذہبی معاملات میں دست اندازی نہیں کیجاتی تھی چنانچہ گورو رامانند۔ بابا کبیر داس۔ گورو نانک۔ مہاپربھو چیتن جی۔ روپ سناتن گوشائیں۔ بلبھاچاریہ جی۔ بابا سورداس۔ گوشائیں تلسی داس۔ بابا توکارام وغیرہ کے حالات ثبوت میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔"

سرالفرڈ لائل نے لکھا ہے کہ جو فاتحین اسلام شمالی ہند میں شاہی خاندانوں کے بانی ہوئے یا جنھوں نے دکن میں اسلامی سلطنتیں قایم کیں اُن کو مذہب کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ اُن میں اکثر ایسے تھے جن کو تبلیغ مذہب کی مہلت ہی نہیں ملی۔" پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام میں لکھتے ہیں کہ" اورنگزیب کے عہد کی تمام تاریخ میں جہانتک مجھ کو پتہ چلا ہے بجبر مسلمان کرنے کا کہیں ذکر نہیں اور قرین قیاس ہے۔ کہ اورنگزیب نے جس کی طبیعت میں مذہب کا بڑا جوش تھا شمالی ہند کی نسبت ہندوؤں کو اس بات کا موقع دیا کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کی وجہ کو اس پادشاہ کا ظلم قرار دیں اور یہ وجہ ایسی ہے کہ جس کے بتانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ اسی طرح حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے جو قریب زمانے کے مشہور پادشاہ گزرے ہیں اس بات میں شہرت حاصل کی کہ اُنہوں نے بہت سے ہندو خاندانوں اور ہندو رعایا کے بعض حصوں کو زبردستی مسلمان کرلیا۔ حالانکہ ان کا مسلمان ہونا ان پادشاہوں کے عہد سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔" حضرت مجدد صاحب الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات میں مذکور ہے کہ جہانگیر نے ایک ہندو راجہ کو نا راض ہوکر گرفتار و مقید کیا حضرت مجدد صاحب کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے اُس ہندو راجہ کو سفارش کرکے آزاد کرادیا۔ اُس کے دل پر مجدد صاحب کی اس پاک باطنی کا یہ اثر ہوا کہ وہ آزاد ہونے کے بعد مسلمان ہوگیا اور اُس نے ایک مسجد تعمیر کی اور ایک بستی بسائی جس کا نام سلیم پور رکھا اور اُس میں زیادہ تر قصاب آباد کئے۔ سلطان سکندر لودی نے تھانیسر میں ہندوؤں کے میلے اور اشنان کو . . . تو مولانا عبداللہ اجودھنی کی حق گوئی سے متاثر ہوکر کوئی نقصان نہیں

پہونچایا۔ لیکن مسعود سالار غازی کے نام پر جو نیزے کا میلہ ہوتا تھا اُسے بند کر دیا۔ جب عالمگیر کی والدہ فوت ہوئی تو عالمگیر کے باپ شاہجہاں نے آگرے میں اُس کے مقبرے کے لئے راجہ جے سنگھ سے زمین خریدی۔ راجہ نے یہ زمین بطور نذر پیش کرنی چاہی لیکن شاہجہاں نے مقبرے کے لئے بلا معاوضہ زمین نہیں لینی چاہی اور راجہ جے سنگھ کو اُس سے زیادہ وسیع اور زیادہ قیمتی قطعہ زمین دیکر اُس کے معاوضے میں خریدی۔ جو لوگ زبردستی کسی کی زمین میں مقبرہ نہ بنائیں وہ مسجد کیسے بنا سکتے ہیں؟

ہندو اور مسلمانوں میں انتہائی رواداری

راجہ جگت سنگھ پسر راجہ انند سنگھ اپنی مذہبی پابندی میں ایسے اعلیٰ درجے پر پہونچا ہوا شخص تھا کہ دہلی اور آگرہ کے قیام کے زمانے میں پچھلی رات کو اُٹھتا اور خود دریائے جمنا سے تنہا پیدل جاکر پانی بھر کر لاتا اور وقت کا بڑا حصہ پوجا پاٹ میں بسر کرتا۔ بھگت مال کے صفحہ ۲۵۲ میں اس کا حال درج ہے۔ اور اُس کو اعلیٰ درجے کے بھگت لوگوں میں بھگت مال کے مصنف نے شمار کیا ہے۔ یہ راجہ مرزا راجہ جے سنگھ کا بھنوئی تھا اور راجہ جے سنگھ اور راجہ جسونت سنگھ اس کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے۔ عالمگیر کو یہ سب حال معلوم تھا اور وہ بھی راجہ جگت سنگھ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اگر عالمگیر کا مذہبی جوش اُسکو ہندوؤں کی مخالفت پر آمادہ کرنے والا تھا تو سب سے زیادہ اُس کو جگت سنگھ سے متنفر ہونا چاہئیے تھا۔ لیکن واقعات اس کے خلاف ہیں۔ آسکرن راجہ نرور گڑھ بھی بھگت مال کے بھگتوں میں شامل ہے۔ پادشاہ اُس کا بہت معتقد تھا اور بھگت مال کی روایت کے موافق اُس کو پادشاہ نے جاگیریں انعام میں دیں۔

شیخ برہان چودھویں صدی عیسوی کے اخیر میں گزرے ہیں۔ راجپوت ان کے اس قدر معتقد ہوئے کہ موکل جی راجپوت نے اپنے بیٹے کا نام شیخ جی رکھا اور بعد میں شیخ برہان الدین کے مقبرے کو راجپوتوں نے اپنا متبرک مقام قرار دیا اور الور و بیکانیر کے درمیان دس ہزار مربع میل کا ایک رقبہ شیخ برہان الدین اور شیخ جی راجپوت کی وجہ سے شیخاواٹی کے نام سے موسوم ہوا۔

سیواجی کا دادا مالوجی ایک مسلمان درویش شاہ شریف صاحب کا معتقد تھا اس لیے اُس نے

اپنے ایک بیٹے کا نام شاہ جی اور دوسرے کا نام شریف جی رکھا۔ یہی شاہ جی آگے چل کر ساہو جی کے نام سے مشہور ہوا۔ شاہ شریف صاحب کا مزار احمد نگر میں موجود ہے،

تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ کشمیر میں ایک ہندو رشی بیر پنڈت کے نام سے مشہور تھا۔ ہندو مسلمان اُس سے عقیدت رکھنے اور اُس کے گرد بکثرت جمع رہنے لگے۔ اور اُس کو رشی بیر پنڈت پادشاہ کہنے لگے۔ کشمیر کے صوبے دار نے یہ حال عالمگیر کو لکھ بھیجا۔ عالمگیر نے طلبی کا فرمان بھیجا۔ لیکن درباریوں میں سے کسی نے پنڈت کے بے ضرر اور بیگناہ ہونے کا حال بیان کیا۔ پادشاہ نے فوراً دوسرا حکم جاری کیا کہ پنڈت کو "پادشاہ ہر دوجہاں" کہا کرو۔ یہ خطاب دیا اور حاضری سے معاف کر دیا،

دھولینڈی جو خالص ہندو تیوہار ہے۔ اس کا میلہ فرخ آباد میں دو جگہ ہوتا تھا۔ یعنی بروز چیت بدی پروا تر پولیہ میں جو ناف شہر ہے اور بروز چیت بدی دوج باغ نواب صاحب رئیس فرخ آباد میں۔ اسی طرح سلونو کا میلہ بھی نوالصاحب کے باغ ہی میں ہوتا ہے جو زبردست دلیل اس بات کی ہے کہ فرخ آباد کے نواب اپنی ہندو رعایا سے نہایت مربیانہ تعلق رکھتے تھے۔ دیکھو تاریخ فرخ آباد مصنفہ پنڈت دیبی پرشاد صاحب ؎

بھوکر ہیڑی تحصیل جانسٹھ ضلع مظفر نگر میں ایک مزار یا سمادھ بابا غریب ناتھ کی ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ یہ ہندو جوگی کی سمادھ ہے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ مسلمان فقیر کا مزار ہے لہٰذا اُس کو ہندو اور مسلمان دونوں مانتے ہیں اور برسات میں وہاں میلہ لگتا ہے۔

جناب منشی لچھمی نرائن صاحب کالیستھ پنشنر صدر قانون گو ضلع فیض آباد نے ۱۹۲۴ء میں اسرار حقیقت کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۴۱ و ۴۲ میں وہ لکھتے ہیں کہ شیخ کبیر صاحب حضرت شاہ بھیکا صاحب قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں اور مزار اُن کا قصبہ گھر پرگنہ خلیل آباد ضلع گورکھپور میں ایک بلندی پر واقع ہے۔ یہ جگہ نہایت دلفریب اور پُر فضا ہے جہاں پر دل کو تازگی اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔ مگر شیخ کبیر صاحب کی دو قبریں وہاں ہیں ایک مسلمان فقیروں کے قبضے میں ہے اور دوسری ہندو فقیروں کے قبضے میں۔ یہ نہیں معلوم کہ کونسی اصلی قبر ہے اور کونسی مصنوعی ؎

بغداد سے ایک سید صاحب ہندوستان میں آئے اور سیال کوٹ میں سکونت اختیار کی۔ ان سید صاحب کے ایک بیٹے سید احمد صاحب تھے۔ یہ سید احمد صاحب سخی سرور کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۱۲۲۰ء میں سید احمد صاحب فقیر ہو گئے پادشاہ نے اُن کی کرامتیں دیکھ کر چار خچر زرومال کے لدے ہوئے عطا کئے۔ اُنہوں نے سب کو راہِ خدا میں لٹا دیا اور سخی سرور اُن کا نام ہوا۔ اُن کا مزار ڈیرہ غازی خان میں ہے۔ اس مزار کی عمارات لاہور کے تین ہندو سوداگروں نے تعمیر کرائیں۔ یہاں ہندو اور مسلمانوں کی عمارات کا ایک عجیب مجموعہ ہے۔ سخی سرور اور اُن کی بیوی کا مزار۔ بابا نانک صاحب کی سماوھ اور ایک ٹھاکر دوارہ موجود ہے۔ یہاں ہر مذہب کے لوگ آتے رہتے ہیں؛

مادھو لال حسین کا عرس اور میلہ شالامار جو نہ صرف لاہور بلکہ تمام پنجاب میں سب سے بڑا میلہ شمار ہوتا ہے۔ اس میں سیکڑوں سال سے ہندو، مسلمان اور سکھ سب یکساں طور پر دلچسپی لیتے اور شریک ہوتے رہے ہیں،

موضع جہان پور (متصل کٹرہ مانک پور) میں سیتلا دیبی کا مندر ہے۔ جہاں ہندوؤں کے بچوں کا مونڈن ہوتا ہے۔ اس مندر کے متولی و مجاور ہندو اور مسلمان دونوں ہیں

نجیب آباد میں سرور کا میلہ خالص ہندوؤں کا میلہ ہوتا تھا اور ہزارہا ہندو عورتیں اور ہندو مرد اس میلے میں شریک ہوتے اور سرور کی عمارت پر چڑھاوا چڑھاتے تھے لیکن سرور کی اس زیارت کے متولی اور مجاور مسلمان تھے اور اب تک موجود ہیں لیکن صرف چند ہی سال سے ہندوؤں نے اس میلے کو ترک اور موقوف کر دیا ہے،

ظاہر پیر۔ یا ظاہر دیوان کی چھڑیاں مشہور ہیں جو بھادوں کے مہینے میں ہوتی ہیں۔ یہ بھی ایک نومسلم راجپوت تھا جو علاقہ بیکانیر میں پیدا ہوا تھا۔ ہندو مسلمان دونوں اس کے معتقد چلے آتے ہیں ان کے مزار کے مجاور بھی ہندو مسلمان دونوں ہیں

اسی طرح ایک بوڑھے بابا کا میلہ ہوتا ہے۔ جو خالص ہندوؤں کا میلہ ہے لیکن اس میلے میں جو مراسم ادا کئے جاتے ہیں اور جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں وہ مسلمان جوگی وصول کرتے ہیں۔

کٹرہ میں سرائے قدیم منہدم شدہ کے پہلو اور سڑک پختہ کے جانب مشرق ایک مسجد ہے جو مسجد اللہ والی کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کو لگاہی مل نامی ایک ہندو نے تعمیر کیا تھا جس کی نسبت کسی نے لکھا ہے کہ ؎

مسجد اللہ والی در کٹرا ؛ شد بہ اعمال لگاہی مل بنا

مندرجۂ بالا قسم کی مثالیں سیکڑوں کی تعداد میں نقل کیجا سکتی ہیں۔ لیکن بخوف طوالت اسی قدر نظائر پر اکتفا کیا جاتا ہے



باب ہفتم

عالمگیر کی سلطنت میں ہندوؤں کا حصہ

عالمگیر کے زمانے کی کوئی باقاعدہ سول لسٹ یا سرکاری دفاتر کے تمام کاغذات تو موجود نہیں ہیں جن سے مکمل اعداد و شمار پیش ہو سکیں۔ بہت سے کاغذات جو باقی تھے اُن کا بڑا ذخیرہ انگلستان کی سرکاری لائبریریوں میں پہونچ چکا ہے اور ہندوستان ان قیمتی دستاویزات سے بالکل خالی اور تہیدست ہے اور اُن سے واقفیت حاصل کرنا اور فائدہ اُٹھانا آسان کام نہیں۔ تاہم مآثر الامرا اور اسی قسم کی بعض دوسری کتابوں اور تاریخوں نیز بوسیدہ فرامین سے جو لوگوں کے قبضے میں ابتک باقی رہ گئے ہیں۔ عالمگیر کی سلطنت کے بہت سے اہلکاروں ، صوبہ داروں اور سپہ سالاروں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اِس حقیقت کو بے پردہ کرنے کے لئے کافی ہیں کہ عالمگیر کے عہدِ حکومت میں ہندوؤں کے لئے سرکاری نوکریوں کا دروازہ کہانتک کُھلا ہوا تھا یا بالکل بند تھا جیسا کہ ضلع کانپور کے گورنمنٹ سکول کے دو ماسٹروں بشیشر دیال و ہرچند اس نے اپنی کتاب اختصار التواریخ حصہ دوم کے صفحہ ۱۹۱ میں عالمگیر کی نسبت لکھا ہے کہ "ہندوؤں کو

اورنگزیب کے وقت میں ملازمت سرکاری نہیں ملتی تھی"۔ اس قسم کے بہتان ہندوستان کے بچے بچے کی زبان پر ہیں اور اس بات کے بتانے کی ضرورت نہیں کہ کیوں ہیں؟ میرے سامنے اسوقت جس قدر سامان موجود ہے اسی میں تلاش کر کے سرسری طور پر کچھ شہادتیں پیش کرتا ہوں،

اورنگزیب کا نظریہ اہلکاروں کی نسبت

مسٹر ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام کے باب نہم میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

اورنگزیب کے فرامین اور مراسلات کے ایک قلمی مجموعے میں جو ابھی تک طبع نہیں ہوا (اور جو نواب عبدالسلام خاں صاحب سب جج ابن نواب محمد اسحاق خان صاحب نجیب آبادی کی ملکیت تھا) مذہبی آزادی کا وہ جامع و مانع اصول درج ہے جو ہر ایک پادشاہ کو غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔ جس واقعہ کے متعلق یہ اصول بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ عالمگیر کو کسی شخص نے عرضی دی کہ دو پارسی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے اس علت میں برخاست کر دیا جائے کہ وہ آتش پرست ہیں اور اُن کی جگہ کسی تجربہ کار معتبر مسلمان کو مقرر کیا جائے (اور قرآن مجید کی کوئی آیت بھی لکھی تھی) عالمگیر نے اس عرضی پر حکم لکھا کہ مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں ہے اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے اور اس قول کی تائید میں یہ آیت نقل کی کہ لکم دینکم ولی دین۔ پادشاہ نے لکھا کہ جو آیت عرضی نویس نے نقل کی ہے اگر یہی سلطنت کا دستور العمل ہوتا تو ہم کو چاہئے تھا کہ اس ملک کے سب راجاؤں اور اُن کی رعیت کو غارت کر دیتے۔ مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ پادشاہی نوکریاں لوگوں کو اُن کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملیں گی۔ اور کسی لحاظ سے نہیں مل سکتیں"۔

فرمان مذکور میں اورنگزیب کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"وانچہ از بد مذہب ایرانیا نوشتہ امور دنیار ابامذہب چہ نسبت۔ و کار ہائے مذہب را بہ تعصب چہ دخل۔ لکم دینکم ولی دین۔ اگر ہمیں قاعدہ مقرر می بودے بالیست کہ جمیع راجہا و تبعۂ آنہارا استاصل میکردیم"۔

راجہ برج نرائن بالقابہ کی تقریر

جناب راجہ برج نرائن بالقابہ راجہ آف پڈرونہ (یو۔پی) نے ۲۰۔مارچ ۱۹۲۹ء کو لکھنؤ کے کشتری جلسے میں جو تقریر فرمائی وہ اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ اس تقریر کا ایک حصہ جو جناب فوق مدفیوضنہ نے اپنے رسالہ "تاریخ کا روشن پہلو" میں درج کیا ہے اس جگہ نقل کرتا ہوں:۔

"میرے بزرگ مغل پادشاہوں کے زمانے میں توپخانوں کے افسر رہے ہیں۔ جو دوہزاری سے پنجہزاری تک کا منصب رکھتے تھے۔ لیکن شہنشاہ اورنگزیب نے میرے بزرگوں رائے امرناتھ اور رائے جی کی خدمات سے خوش ہو کر تینتیس ۳۳ گاؤں ہم کو عطا کئے اور ہمیں ایک چھوٹی سی ریاست کا راجہ بنا دیا جس میں بعض ازاں ترقی ہوتی رہی۔ یہانتک کہ ڈھائی لاکھ کشتری ویر ہمارے ساتھ ہو گئے۔ ہمارے رشتہ داروں اور کشتری کماروں کو ہماری یہ ترقی کانٹے کی طرح چبھنے لگی اُنہوں نے ہمارے اور مغل پادشاہ کے درمیان بہت کچھ غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مگر اورنگزیب کے اخیر عہد تک ہمارے خاندان کے تعلقات مغل حکومت سے بدستور قایم رہے"۔

رائے مکرند رائے گورنر روہیلکھنڈ

"عالمگیر نے دارا شکوہ کو جب شکستِ فاش دیکر ہندوستان کی زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی تو وہ وقت بڑا نازک تھا۔ اُس کے رقیب بھائیوں کے طرفدار لوگ بھی تمام ملک میں موجود تھے۔ اور لوگوں کو ابھی پورے طور پر یقین نہیں ہوا تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اور مستقل طور پر تاج حکومت اور تختِ سلطنت کس کے قبضے میں رہے گا۔ عالمگیر بھی اس حقیقت سے ناآشنا نہ تھا۔ روہیلکھنڈ کا علاقہ قدیم سے جنگجو اور بہادر آدمیوں کے پیدا کرنے میں شہرت رکھتا تھا۔ بہادر خان اور دلیر خان جیسے مشہور سپہ سالار اسی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن عالمگیر نے دارا شکوہ کو شکست دینے کے بعد سب سے پہلا انتظام یہ کیا کہ روہیلکھنڈ کی حکومت و فوجداری پر

رائے مکرندر ائے کو مامور فرمایا اور وہ گیارہ سال تک مسلسل یعنی ۱۰۸۰ھ تک حکومت روہیلکھنڈ پر مامور رہا۔ ۱۰۸۰ھ میں عالمگیر نے اس کو اور بھی زیادہ اہم اور وسیع صوبہ بنگال کی حکومت پر تبدیل کیا پرگنہ قنوج میں پنڈت دیبی پرشاد صاحب مصنف تاریخ فرخ آباد کی روایت کے موافق مقام مکرندنگر اسی رائے مکرندر ائے کا آباد کردہ ہے۔

چورامن جاٹ اور ریاست بھرت پور

اودھ کی مشہور تاریخ عماد السعادت میں لکھا ہے کہ برج اور راجپوتانہ کے درمیان مقام سِرانہ کا رہنے والا ایک جاٹ زمیندار تھا جو راجہ جے سنگھ کے بزرگوں میں سے راجہ جے نگر کی رعایا تھا۔ اور گیارہ گاؤں کا مالک تھا اور جے نگر کے راجہ کو آٹھ ہزار روپیہ سالانہ مالگزاری ادا کیا کرتا تھا۔ اس زمیندار کا ایک بیٹا چورامن نامی تھا۔ چورامن نے کچھ گھوڑیاں اپنے گھر کی لیں اور کچھ ادھر اُدھر سے بہم پہونچا کر اپنے چچازاد بھائیوں اور رشتہ دار نوجوانوں کو متحد و متفق کر کے رہزنی اختیار کی اور اس طرح لوٹ مار کے ذریعے روپیہ فراہم کر کے پانسو سوار اور ہزار پیادے نوکر رکھ لئے اسی طرح ایک اور جاٹ مسمی نندا نے جو ہاتھرس کے علاقے کا رہنے والا تھا یہی رہزنی کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ اور ۱۰۰ سوار اُس کے ہمراہ تھے۔ وہ بھی معہ ہمراہیوں کے چورامن سے آملا چورامن نے بعض گاؤں اور بستیوں کو بھی لوٹنا شروع کیا اور ریاست کوٹہ بوندی کے علاقے میں بہت لوٹ مار کی اسی عرصے میں عالمگیر اورنگزیب نے دکن کی طرف کوچ کیا اور شاہی فوجیں شمالی ہند کی طرف سے جنوبی ہند کو روانہ ہونے لگیں۔ چورامن نے ایک مرتبہ شاہی فوج کے بہیر و بنگاہ پر رات کے وقت جبکہ فوج کا کوچ ہو رہا تھا چھاپہ مارا اور پریشانی پیدا کر دی۔ عالمگیر کو جب چورامن کی شوخیوں کا حال معلوم ہوا تو اُس نے بجائے اس کے کہ کسی سپہ سالار کو چورامن کے استیصال پر مامور کرتا راجہ جے سنگھ کی سفارش سے اُس کو چند پرگنے اس شرط پر عطا کئے کہ وہ آئندہ رہزنی اور ڈاکہ زنی سے باز رہے گا چورامن نے اقرار نامہ لکھ کر پیش کیا اور عالمگیر نے راجہ جے سنگھ ہی سے چورامن کے آئندہ نیک چلن رہنے کی ضمانت لی۔ چورامن نے اپنی اُس جاگیر میں جو عالمگیر نے عطا کی تھی بھرت پور آباد کیا۔ اور قلعہ بنایا اور جب تک زندہ رہا اپنے اقرار پر قائم رہا ۱۱۲۱ھ میں فوت ہوا۔ چورامن کے

بیٹے بدن سنگھ نے باپ کا جانشین ہو کر دوسرا قلعہ ڈیگ کے نام سے تعمیر کیا۔ بدن سنگھ کا بیٹا سورج مل تھا جو نواب نجیب الدولہ سے جنگ آزما ہو کر مارا گیا تھا۔

جسونت جھالا و جام رائے سنگھ اور کارسورت

علاقہ سورت میں نوانگر کا زمیندار جام رنمل ہمیشہ سرکار شاہی کا وفادار رہا۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کے بھائی رائے سنگھ اور اُس کے بیٹے ستر سال میں مخالفت ہوئی۔ اس خانہ جنگی میں زمیندار کچھ اور گوبردھن داس راٹھور بھی شریک ہو گئے۔ آخر صوبہ دار گجرات کو مداخلت کرنی پڑی اور ستر سال کو نوانگر کی امارت سپرد کی گئی۔ ستر سال جلدی ہی فوت ہو گیا اور نوانگر اُس کے لاولد ہونے کی وجہ سے خالصہ شاہی میں شامل ہو گیا۔ گجرات کے صوبہ دار دلیر خاں نے پادشاہ کی خدمت میں رائے سنگھ کے بیٹے تماچی کی سفارش کی لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اسی عرصے میں دلیر خاں صوبیداری گجرات سے تبدیل ہوا اور مہاراجہ جسونت سنگھ گجرات کی صوبیداری پر مامور ہوا۔ مہاراجہ جسونت سنگھ نے گجرات کی صوبے داری کا چارج لیتے ہی عالمگیر کی خدمت میں عرضداشت بھیجی اور لکھا کہ تماچی اپنی بدکرداریوں اور ناہنجاریوں سے نادم و پشیمان ہے اور اقرار کرتا ہے کہ آئندہ ہمیشہ اطاعت و فرماں برداری میں ثابت قدم رہے گا اور جادۂ اطاعت سے کبھی قدم باہر نہ رکھے گا۔ اگر نوانگر کی حراست اور وہ منصب جس کی دلیر خاں نے سفارش کی تھی مرحمت ہو جائے تو ولایت مذکور کا انتظام عمدگی سے انجام دے گا۔ عالمگیر نے مہاراجہ جسونت سنگھ کی اس سفارش کو فوراً منظور کر لیا اور ۱۰۸۲ھ میں نوانگر کا انتظام و منصب ہزاری تماچی کو عطا کیا گیا اور اُس کے رفیقوں کو بھی مناصب اور جاگیریں عطا کر کے سرفراز کیا۔ دوسرا لطیفہ مہاراجہ جسونت سنگھ صوبہ دار گجرات نے کسی بات سے ناراض ہو کر ہلود کے زمیندار جسونت سنگھ جھالا پر حملہ کر کے ہلود کی حکومت اُس سے چھین لی اور نظر علی خاں کو ہلود کی جاگیر عطا کی۔ پانچ چھ سال کے بعد جسونت سنگھ جھالا نے ہلود پر بزور شمشیر پھر قبضہ کر لیا۔ اس کا حال عالمگیر کو معلوم ہوا تو اُس نے جسونت سنگھ جھالا کی بہادری سے خوش ہو کر ہلود کی سند جاگیر جسونت سنگھ جھالا ہی کو عطا کی اور اُس کو ہلود کا مستقل فرمانروا بنا دیا اسی طرح پرگنہ موربی جو بلوچوں کی جاگیر تھا عہدِ عالمگیری سے پہلے خالصہ شاہی میں شامل ہو چکا تھا۔

عہدِ عالمگیری میں اس کی سند راجپوت زمیندار کو عطا ہوئی۔ اسی طرح پوربندر خالصہ شاہی میں تھا مگر عالمگیر نے اس کی حکومت اور سند جاگیر مسمی نوگھن اور اس کے بھائی جاڑیجا اوجی کو عطا فرمائی گجرات کے قاضی القضاۃ قاضی عبداللہ نے پادشاہ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ سورت کے زمینداروں کے پاس سیر کی اراضیات ہیں اور ان میں اسقدر استطاعت نہیں کہ حضور میں حاضر ہوکر اسناد حاصل کرسکیں اور متصدیان شاہی اسناد نہونے کے سبب اراضیٔ سیر ضبط کرلیتے ہیں۔ اسپر حکم ہوا کہ صوبہ کا دیوان بعد ثبوت استحقاق وقبضہ ایسی اراضیات کو واگزار کرکے سندیں حوالے کرے اور جو لوگ دیوان صوبہ کے پاس بھی آنے کی استطاعت نہیں رکھتے اُن کے پاس دیوان خود اپنا معتمد بھیجکر بعد تحقیقات وثبوت استحقاق مذکورۂ بالا سندیں لکھواکر بھجوادے۔ اس جگہ اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ سب زمیندار ہندو تھے اور صوبے کا دیوان بھی عموماً ہندو ہی ہوتا تھا۔ ان ہندو زمینداروں کی سفارش مسلمان قاضی نے کی اور اس سفارش کو اس مسلمان پادشاہ نے منظور فرمایا جس کو ہندوؤں کا جانی دشمن بتایا اور مشہور کیا جاتا ہے ؛

عالمگیر کی طرف سے مرہٹوں کے مقابلہ میں راجپوت

راجپوتوں کے بڑے بڑے راجہ مہاراجہ عالمگیر کی وفات تک بڑی بڑی فوجی مہمات میں شریک اور کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے۔ مرہٹوں کی سرکوبی میں راجپوتوں نے مسلمان سرداروں کے پہلو بہ پہلو نہایت وفاداری سے کام کیا۔ اودے پور کے کئی راجکمار عالمگیر کی فوج اور مہمات دکن میں مصروفِ کار رہے۔ اسی طرح جودھپور کا راجہ مان سنگھ راٹھور دکن میں ذوالفقار خاں سپہ سالار کا کمکی تھا جو نہایت وفاداری وجانفشانی سے خدمات بجالاتا رہا۔ اسی طرح جےپور کے مرزا راجہ جے سنگھ اور دوسرے کچھواہہ راجپوت سردار عالمگیر کی طرف سے شمشیر زنی کرتے رہے۔ اسی طرح بیکانیر کے راجپوتوں نے خدمات شائستہ انجام دیں۔ راؤ انوپ سنگھ بیکانیر والے کو اورنگزیب نے بہارنگی اور سیوران کے دو پرگنے انعام میں عطا کئے۔ جن پر آجتک بیکانیر والوں کا قبضہ ہے لالہ لاجپت رائے صاحب آنجہانی نے اپنی کتاب موسومہ سیواجی میں قلعہ پورندھر کی لڑائی کا حال لکھتے ہوئے ارقام فرمایا ہے کہ:-

"ہم نے یہ تفصیلات اِس لئے دی ہیں کہ ہندوؤں کو یہ معلوم رہے کہ ہندوؤں کی تخریب کا الزام اورنگزیب پر لگانا بیہودہ ہے جبکہ ہمارے پاس تاریخی ثبوت اِس بات کے موجود ہیں کہ ہندوؤں کی جڑوں کے کاٹنے والے ہندو تھے"۔

لالہ صاحب موصوف نے راجہ جے سنگھ۔ ہری بھان۔ اودے بھان۔ کیرت سنگھ۔ کرن راٹھور۔ جگت سنگھ والئی مارواڑ۔ راجہ رائے سنگھ۔ رام سنگھ ہاڈا۔ شیر سنگھ راٹھور۔ راج سنگھ گوڑ۔ رودرمل۔ چتر بھوج چوہان۔ چتر سین وغیرہ ہندو راجپوت سرداروں کے نام دلیر خان افغان سپہ سالار اعظم کے کمکی سرداروں میں دکھا کر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ یہ بڑے بڑے ہندو سردار جو شاہی فوج میں شامل تھے سیواجی کے مقابلہ ہیں صف آرا ہو کر قومی غداری کے مرتکب ہوئے۔ مگر لالہ لاجپت رائے اس بات کو بالکل بھول گئے کہ یہ کثیر التعداد بہادر جانفروش ہندو سردار لالہ لاجپت رائے کے مقابلے میں زیادہ باغیرت۔ زیادہ بہادر۔ زیادہ طاقت ور۔ زیادہ ہندو اور اپنی قوم و مذہب سے زیادہ محبت رکھنے والے اور زیادہ اعمال مذہبی کے پابند تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانے میں اس قسم کے ذلیل ورذیل تعصب مذہبی کا نام ونشان بھی نہ تھا جس کے طوفان نے آج ہندوستان کو ذلیل ورسوا بنا رکھا ہے۔ بلکہ یہ سب ملک وحکومت ودولت کی لڑائیاں تھیں جو دُنیا میں ہمیشہ ہوتی رہی ہیں۔ ان کو مذہبی لڑائیاں ظاہر کر کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں یا مسلمانوں کو ہندوؤں کے مقابلے میں آمادہ جنگ بنانے کی کوشش کرنے والے ہی درحقیقت ملکی وقومی غدار کہے جا سکتے ہیں۔ عالمگیر کی فوج کے ان ہندو سرداروں کے تو وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہم کوئی مذہبی وقومی لڑائی لڑ رہے ہیں بلکہ وہ تو سب کے سب یہی سمجھتے تھے کہ ہم پادشاہِ وقت کی طرف سے ایک باغیِ سلطنت کو زیر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہر حال لالہ صاحب نے جو الفاظ عالمگیر کی بے گناہی اور حمایت میں لکھے ہیں وہ یقیناً صحیح ہیں۔

دیوان تلوک چند کی عزت افزائی

سنہ ۱۰۹۲ھ میں عالمگیر کا بیٹا شہزادہ محمد اعظم صوبہ اجین کا صوبیدار تھا۔ شہزادہ محمد اعظم کی سرکار کا

دیوان یعنی شہزادے کا وزیر تلوک چند نامی ایک ہندو تھا۔ علاقہ اجین میں پہاڑ سنگھ نامی ایک شخص نے باغی ہوکر غارت گری شروع کی۔ شہزادے کے دیوان تلوک چند نے حملہ آور ہوکر اس باغی کو قتل اور بغاوت کو فرو کیا۔ عالمگیر اس خبر کو سنکر بے حد مسرور ہوا اور انتہائی جوشِ مسرت کے عالم میں بیٹے کو خط لکھا اور دیوان مذکور کو داد دیکر سرفراز و مفتخر فرمایا۔ عالمگیر کے الفاظ یہ ہیں:۔

"فرزند سعادت توام از وقائع صوبہ مالوہ بعرض رسید کہ پہاڑ سنگھ کور باطن از کمال نخوت و پندار مایۂ شور و فساد شدہ مصدر ہنگامہ آرائی بود از دست تلوک چند پیش دست دیوان آں فرزند ارجمند اقبال پیوند کشتہ شدہ

اے خدا قربان احسانت شوم ۔ ایں چہ احسان ست قربانت شوم

فی الحقیقت ظہور ایں امر نتیجہ فیض تربیت آں فرزند است کہ نوکراں را دل دادہ سرگرم کارہائے عمدہ پادشاہی می کنند۔ بایں توجیہہ کہ تہنیت خالی بر زبان نیاید مالائے مروارید قیمتی پنجاہ ہزار برائے آں فرزند مرحمت نمودیم و چوں ایں ہندو بہماں مثل راست آوردہ گویا گنجشک مردانہ بازے را زدہ او را بمنصب پانصدی ذات و دو صد سوار خطاب رائے و عطائے خلعت و شمشیر و اسپ سربلندی بخشیدیم۔ آں فرزند ہم رعایتی درخور کہ موجب امتیاز او در اقران و امثال تواند بود۔ البتہ معہ نشان تحسین و آفرین و استقلال نیابت صوبہ بفرستند تا کہ نوکراں دیگر را ہوس حسن خدمت و امید نتیجہ افزاید۔"

مذکورہ بالا قسم کی مثالیں ہزارہا کی تعداد میں نقل کیجا سکتی ہیں۔ لیکن اس مختصر تالیف میں اتنی گنجائش کہاں۔ لہٰذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ عالمگیری کے بعض ہندو اہلکاروں کی محض فہرست درج کیجائے۔ یہ فہرست ہرگز کامل نہ سمجھی جائے۔ بلکہ نہایت ناقص ہے جو تاریخ کی فرسودہ تین کتابوں سے سرسری طور پر مرتب کی گئی ہے جس میں صرف وہی چند نام آئے ہیں جن کا ذکر کسی نہ کسی واقعہ کے متعلق تاریخ میں آگیا ہے۔

عہد عالمگیری کے بعض منصبداران ہنود

سیواد فلیہ :۔ ۴۲ سنہ جلوس عالمگیری میں منعم خان کے ذریعہ ملازمت شاہی میں داخل ہو کر خلعت نقارہ علم سے مفتخر اور شش ہزاری پنجہزار سوار منصب پر مامور ہوا۔

سوبھان رائے :۔ ۴۳ سنہ جلوس عالمگیری میں شہزادہ اعظم کے ذریعے ملازمت شاہی میں داخل ہوا۔ خلعت۔ کٹار۔ اسپ و فیل۔ طوغ و علم۔ نقارہ اور بیس ہزار روپیہ نقد مرحمت ہوا۔ اور پنجہزاری دو ہزار سوار منصب پر مامور ہوا۔ اس سے پہلے مرہٹوں کی طرف سے ستارہ کا قلعہ دار تھا،

بھاگو مل بنجارہ :۔ پنجہزاری چہار ہزار سوار منصب پر مامور تھا۔ اس کے بعد بھاگ کر مرہٹوں سے جا ملا۔ ۴۲ سنہ جلوس عالمگیری میں حاضر ہو کر معافی کا خواستگار ہوا۔ عالمگیر نے قصور معاف کر کے پھر منصب مذکور پر مامور فرما دیا،

اُچلاجی مرہٹہ :۔ سیواجی کا داماد تھا۔ ۲۹ سنہ جلوس عالمگیری میں خلعت۔ نقارہ۔ علم۔ پہونچی مرصع۔ اسپ و فیل سے سرفراز اور پنجہزاری دو ہزار سوار منصب پر مامور ہوا،

لسبونت راؤ دکنی :۔ ۲۵ سنہ جلوس عالمگیری میں چہار ہزاری چہار ہزار سوار منصب پر مامور اور خلعت سے مفتخر ہوا،

بداجی :۔ سیواجی کا چچازاد بھائی تھا۔ ۴۶ سنہ جلوس عالمگیری میں سہ ہزاری دو ہزار سوار منصب پر مامور ہوا۔ اس سے پہلے دو ہزار و پانصدی منصب پر مامور تھا

راجہ بھیم :۔ راجہ جے سنگھ کا بھائی تھا۔ ۴۴ سنہ جلوس عالمگیری میں حاضر دربار ہو کر پنجہزاری منصب پر مامور ہوا۔ ۵۰ سنہ جلوس عالمگیری میں فوت ہوا،

دُرگا داس راٹھور :۔ یہ مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور کا رشتہ دار تھا۔ اسی نے جسونت سنگھ کی وفات کے بعد راجپوتوں کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا اور اسی نے شہزادہ اکبر ابن عالمگیر کو سلطنت کا سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ شہزادہ محمد اکبر کے بیٹے بلند اختر کو لیکر پہاڑوں میں جا چھپا تھا۔ ۴۲ سنہ جلوس عالمگیری میں شجاعت خان صوبے دار گجرات کے توسل سے ہاتھ باندھے ہوئے دربار میں حاضر ہوا

عالمگیر نے شجاعت خاں کی سفارش سے قصور معاف کر کے سہ ہزاری دو ہزار سوار منصب پر مامور کیا اور خلعت وجمدھر مرصع عطا کیا،

مکت رائے :۔ عالمگیر کیطرف سے نصرت آباد کا ناظم اور دو ہزاری و پانصدی منصب پر مامور تھا۔ ۵۰؁ جلوس عالمگیری میں سہ ہزاری منصب پر ترقی پائی،

راجہ اودوت سنگھ :۔ اوندچھ کا زمیندار ۳۳؁ جلوس عالمگیری میں خطاب راجگی سے مفتخر اور منصب ہزار و پانصدی پر مامور ہوا۔ ۳۶؁ جلوس عالمگیری میں منصب دو ہزار پانصدی ہزار و پانصد سوار پر ترقی پائی اور ایرج کی فوجداری پر مامور ہوا،

الیسوجی دکنی :۔ ۳۰؁ جلوس عالمگیری میں حاضر دربار ہوا اور منصب دو ہزاری ہزار سوار پر مامور اور خلعت ۔ علم ۔ طوغ ۔ نقارہ ۔ اسپ و فیل اور بیس ہزار روپیہ نقد انعام سے معزز و مفتخر ہوا۔

ارجوجی :۔ یہ سنبھاجی کا چچازاد بھائی تھا ۲۸؁ جلوس عالمگیری میں دو ہزاری ہزار سوار منصب پر مامور اور خلعت و اسپ سے مفتخر ہوا،

بکرم سنگھ گوالیاری :۔ ۴۸؁ جلوس عالمگیری میں دو ہزار و پانصدی منصب پر مامور ہوا اور خلعت جمدھر مرصع ۔ اسپ معہ ساز طلا انعام کے طور پر مرحمت ہوا،

منکوجی :۔ ۳۰؁ جلوس عالمگیری میں حاضر دربار ہو کر دو ہزاری ہزار سوار منصب پر مامور ہو کر ملازمان شاہی میں داخل ہوا اور خلعت ۔ علم ۔ نقارہ ۔ بیس ہزار روپیہ نقد انعام میں ملا،

دوند سے راؤ :۔ ۴۰؁ جلوس عالمگیری میں تربیت خان کے توسل سے ملازمت شاہی میں داخل ہو کر ہزار و پانصدی منصب پر مامور اور کوہ مہادیو کی تھانیداری پر متعین ہوا،

راجہ کلیانداس بھدوریہ :۔ بھدوار کا زمیندار تھا ۔ اول منصب ہفت صدی پر مامور تھا ۴۰؁ جلوس میں نہ صدی منصب پر مامور ہوا۔

راگھوداس جھالا :۔ ابتداء میں رانا اودے پور کی سرکار میں ملازم تھا ۴۰؁ جلوس عالمگیری میں وہاں کی ملازمت ترک کر کے حاضر دربار شاہی ہوا ۔ عالمگیر نے ہفت صدی پانصد سوار منصب پر مامور کیا،

پرتھی سنگھ :۔ گڑھوال وٹیرہی کا راجہ تھا ۔ سلیمان شکوہ پسر دارا شکوہ نے اس کے پاس

پناہ لی تھی۔ ۳ سنہ جلوس عالمگیری میں پادشاہ نے اُس کو لودی خان کے ہمراہ کابل میں تعینات فرمایا آجکل کے تمام مورخین نے یہ غلطی کی ہے کہ اس کو جموں کا راجہ لکھا ہے اور یہ غلطی صرف اسوجہ سے سرزد ہوئی کہ ریاست گڈھوال کے دارالحکومت کا نام بھی سری نگر ہے اور ریاست کشمیر کا دارالحکومت بھی اسی نام سے موسوم ہے تاریخوں میں پرتھی سنگھ کو سری نگر کا راجہ لکھا ہوا دیکھ کر اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ جموں و کشمیر کا راجہ ہوگا۔ حالانکہ یہ سراسر غلط اور تمسخر انگیز ہے۔ بیچارہ سلیمان شکوہ بھلا سری نگر دارالحکومت کشمیر میں کسطرح پہونچ سکتا تھا؟

پرتھی سنگھ راٹھور:۔ شروع سے ملازمتِ شاہی میں داخل اور ۲۰ سنہ جلوس عالمگیری میں اُسکو خلعت کے ساتھ دو ہزار روپیہ نقد انعام میں مرحمت ہوا۔

راجہ جسونت سنگھ بندیلہ:۔ ۲۱ سنہ جلوس عالمگیری میں چمپت بندیلہ کے بیٹوں کی سرکوبی پر مامور ہوا اور ۲۹ سنہ جلوس عالمگیری میں خلعت کے ساتھ فیل اور نقارہ مرحمت ہوا۔

چھتر مل:۔ کل ممالک محروسہ کے وقائع نگاروں کا افسر اعلیٰ تھا۔ ۴۲ سنہ جلوس عالمگیری میں فوت ہوا۔ اُس کا بیٹا بھولا ناتھ مسلمان ہو گیا اور ہدایت کیش کے نام سے موسوم ہوا۔

راجہ عالم سنگھ:۔ اُجین کا زمیندار تھا۔ ۱۰۶۸ھ میں جنگ دارا شکوہ سے پہلے اور معرکہ اُجین یعنی جنگ جسونت سنگھ کے بعد عالمگیر نے اس کو راجگی کے خطاب سے مفتخر اور خلعت۔ فیل۔ شمشیر۔ جمدھر وغیرہ سے سربلند فرماکر کفایت خان کے ساتھ صوبہ اُجین کی حکومت پر مامور فرمایا۔

گردھر داس سیسودیہ:۔ ملازمت شاہی میں داخل اور دہلی میں متعین تھا۔ ۱۷ سنہ جلوس عالمگیری میں حسین پاشا حاکم بصرہ کے استقبال کے انتظام میں لاہوری دروازے پر یکہ تاز خان سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا اور دونوں زخمی ہوکر گرے۔ گردھر داس کے زخم کاری آیا تھا لہٰذا جانبر نہ ہوسکا۔

رائے لعل چند:۔ دیوان خالصہ شاہی کے عہدے پر سرفراز تھا۔ ۱۷ سنہ جلوس عالمگیری میں تشخیص مالگزاری اور تصفیۂ مقدمات خالصہ کے لئے کابل بھیجا گیا۔

رائے مکرند رائے:۔ اس کا ذکر اوپر کسی فصل میں آچکا ہے۔ ۱۲ سنہ جلوس عالمگیری میں

صوبہ بنگالہ کی حکومت پر مامور ہوا۔

راجہ مانندھاتا:۔ ۲۰ سنہ جلوس عالمگیری میں غوربند کا تھانہ دار مقرر کیا گیا۔

مرلیدھر:۔ ابتداءً نواب شائستہ خان امیر الامراء کی سرکار میں دیوان تھا۔ ۳۸ سنہ جلوس عالمگیری میں امیرالامراء کی وفات کے بعد ملازمت شاہی میں داخل ہوا۔

مان سنگھ ماڈا:۔ ایام شہزادگی سے عالمگیر کے رفقاء میں شامل تھا۔ معرکۂ سموگڈھ میں عالمگیر کی طرف سے بہادری کے ساتھ لڑکر مارا گیا۔

ہرآسئے:۔ سورت کے مشہور تجارتی شہر کا ناظم تھا۔ اسکو حضرت سید سعد اللہ صاحب سے بہت عقیدت تھی۔ وہ اس سے محبت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ سید صاحب ممدوح نے اس کو خط لکھا اور بجائے القاب کے یہ شعر تحریر فرمایا کہ ؎

بنام آنکہ او نامے ندارد ؎ بہر نامش کہ خوانی سر برآرد

مہاراجہ جسونت سنگھ والئ جودھپور:۔ شاہجہاں کے ماموں زاد بھائی راجہ گج سنگھ کا چھوٹا بیٹا تھا اور اس لئے رشتے میں عالمگیر کا بھائی۔ اس کا حال کئی جگہ گزشتہ ابواب میں آچکا ہے اُجین کے قریب عالمگیر سے شکست کھا کر بھاگا۔ پھر عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی حاصل کی پھر کھجوہ کے مقام پر نہایت نازک وقت پر شجاع کے مقابلے میں عالمگیر کو دھوکا دیکر فرار ہوا۔ پروفیسر جادوناتھ سرکار نے خوب کہا ہے کہ "دغابازی اور نمک حرامی ہر ملک اور ہر قوم میں معیوب ہے لیکن ایک راجپوت کے لئے بہت زیادہ شرمناک ہے"۔

رائے رایان راجہ رگھناتھ داس:۔ عہدِ شاہجہانی میں نواب سعد اللہ خان وزیر اعظم کی سرکار میں نوکر ہوکر ترقی کرتا ہوا نیابت کے عہدے تک پہونچا۔ پھر شاہجہاں نے اپنی سرکار میں منتقل کر کے ایک ہزار چار سو سوار کا منصب اور رائے کا خطاب دیا پھر ترقی کر کے خالصہ شاہی کا دیوان ہوگیا۔ عالمگیر نے اپنے عہدِ حکومت میں مدار المہام سلطنت کے بلند ترین مقام پر پہونچادیا۔ عالمگیر حد سے زیادہ عزت و محبت کرتا تھا۔ عالمگیر جب کشمیر گیا تو راجہ رگھناتھ داس ہمراہ تھا۔ اسی سفر میں راجہ فوت ہوا۔

مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ:۔ یہ جے پور کا راجہ تھا۔ سموگڈھ کی لڑائی کے بعد

دربارِ عالمگیری میں حاضر ہوا۔ جاگیر و انعام سے مفتخر اور ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار منصب پر مامور۔ دارا شکوہ کے تعاقب پر مامور رہا۔ سیواجی کی مہم پر متعین ہوا۔ پورندھر اور کوکن کے قلعے سیواجی سے بزورِ شمشیر فتح کئے۔ آخر عمر تک عالمگیر کا وفادار اور خدمات شاہی میں مصروف رہکر ۱۰۷۷ھ میں بمقام برہان پور فوت ہوا؛

کنور رام سنگھ :۔ یہ مرزا راجہ جے سنگھ کا بیٹا اور شاہجہاں کے زمانے سے سہ ہزاری منصب پر مامور تھا۔ عالمگیر نے راجہ کا خطاب دیکر پنجہزاری ذات پنجہزار سوار منصب تک پہونچایا۔ اور ہمیشہ موردِ انعامات رہا؛

راجہ کشن سنگھ :۔ کابل کی صوبے داری پر مامور ہوا ۱۳ سنہ جلوس عالمگیری میں بادشاہ نے خلعت و سرپیچ مرصع عطا کیا۔ نیز شمشیر۔ اسپ و فیل و نقد انعام بھی مرحمت ہوا؛

راجہ بشن سنگھ :۔ ۱۰۹۵ھ میں اپنے باپ راجہ کشن سنگھ کی وفات کے بعد منصب ہزاری و چہار صد سوار پر مامور اور خطاب راجگی سے موصوف و مفتخر ہوا اسی سال راٹھوروں کی تادیب پر متعین اور اُس کے بعد متھرا کی فوجداری پر منصوب ہوا؛

راجہ جے سنگھ سوائی :۔ اپنے باپ راجہ بشن سنگھ مذکور کی وفات کے بعد ۴۴ سنہ جلوس عالمگیری میں راجہ جے سنگھ کے خطاب سے مفتخر ہوا اور ۴۵ سنہ جلوس عالمگیری میں اسد خان عمدۃ الملک کے ہمراہ دکن میں قلعہ کھلنا کی تسخیر پر مامور ہوا۔ دو ہزاری ذات۔ دو ہزار سوار کا منصب پایا۔ اُس نے بعض عربی کتابوں کا بھاشا میں ترجمہ کیا۔ شہر جے پور آباد کیا؛

راجہ بجے سنگھ :۔ راجہ جے سنگھ کا بھائی اور عالمگیری اُمرا میں شامل اور اپنی ساری عمر سلاطین مغلیہ کا وفادار رہا؛

راجہ رائے سنگھ راٹھور :۔ سموگڈھ کی لڑائی کے بعد متھرا کے مقام پر دربار عالمگیری میں حاضر ہوا اور خلیل اللہ خان کے ساتھ دارا شکوہ کے تعاقب پر مامور ہوا۔ کھجوہ کی

لڑائی میں اُس کے چچا راجہ جسونت سنگھ نے جب عالمگیر سے عین حالتِ جنگ میں غداری کی اور میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا تو عالمگیر نے اُس کو بعد فتح ایک لاکھ روپیہ انعام اور راجہ کا خطاب دیکر سرفراز کیا اور خلعت و اسپ و فیل و شمشیر مرصع و نقارہ عطا کرکے راٹھور قبیلہ کا سردار اور جودھپور کی حکومت کا اُمیدوار بنایا۔ مرتے دم تک عالمگیر کا وفادار و جاں نثار رہا اور دکن میں مرہٹوں اور بیجاپوریوں کے مقابلے میں خدمات شائستہ انجام دیں ؛

راجہ اندر سنگھ راٹھور :۔ اس کے باپ راجہ رائے سنگھ مذکور کا جب ۱۸ سنہ جلوس عالمگیری میں انتقال ہوا تو امرائے شاہی میں داخل رہا اور ۲۲ سنہ جلوس عالمگیری میں جب مہاراجہ جسونت سنگھ کا انتقال ہوا تو قبیلہ راٹھور کی سرداری اور جودھپور کی حکومت دربارِ شاہی سے عطا ہوئی۔ ۲۴ سنہ جلوس عالمگیری میں شہزادہ اکبر کے تعاقب پر مامور ہوا اور اُس کے بعد مہمات دکن میں مصروف رہا ؛

راجہ مان سنگھ پسر راجہ روپ سنگھ :۔ اس کا باپ راجہ روپ سنگھ جنگ سموگڈھ میں دارا شکوہ کی طرف سے لڑکر مارا گیا تھا۔ مان سنگھ اس کے بعد عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہو کر امرائے شاہی میں داخل ہوا۔ عالمگیر نے کشن گڑھ کی جاگیر اور پوروہ مانڈل کی فوجداری عطا کی۔ دکن میں خدماتِ شائستہ انجام دیں، اس کے باپ روپ سنگھ نے جنگ سموگڈھ میں عالمگیر کا کام تمام کردینا چاہا تھا۔ مگر عالمگیر نے ہمیشہ اس کے بیٹے پر نظرِ عنایت رکھی ؛

راؤ بھاؤ سنگھ ہاڈا :۔ اس کا باپ ستر سال بھی راجہ روپ سنگھ مذکور کی طرح جنگ سموگڈھ میں دارا شکوہ کی طرف سے لڑکر مارا گیا تھا۔ لیکن جب بھاؤ سنگھ عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو عالمگیر نے راؤ کا خطاب اور علم و نقارہ مرحمت فرماکر سہ ہزاری ذات دو ہزار سوار کا منصب مرحمت فرمایا اور شہزادہ محمد سلطان کے ہمراہ محمد شجاع کے تعاقب پر مامور کیا۔ امیر الامرا شائستہ خان کے ہمراہ محاصرہ قلعہ چاکنہ میں مصروف رہا۔ مرتے دم تک عالمگیر کا وفادار رہا اور مہاراجہ جسونت سنگھ نے دکن میں جو بغاوت کی سازش کی تھی اس میں شریک ہونے سے انکار کیا اور اسی لئے وہ سازش ناکام رہی ؛

راؤ انرودھ سنگھ :۔ راؤ بھاؤ سنگھ ہاڈا مذکور جب لاولد فوت ہوا تو عالمگیر نے اس کے

بھائی بھگونت سنگھ کے پوتے انرودھ سنگھ کو بوندی کی حکومت پر مامور فرمایا۔ سنہ ۲۶ جلوس عالمگیری میں جب بوندی پر درجن سنگھ ہاڈا نے حملہ کیا تو بادشاہ نے مغل خان سردار شاہی کو انرودھ سنگھ کی مدد کے لئے روانہ کیا اور درجن سنگھ شکست کھا کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔

جگت سنگھ ہاڈا:۔ اس کا باپ مکند سنگھ دھرمات پور متصل اجین کی لڑائی میں دارا شکوہ کی طرف سے عالمگیر کے مقابلے میں مارا گیا تھا۔ جب جگت سنگھ عالمگیر کے دربار میں حاضر ہوا تو عالمگیر نے کوٹہ کی جاگیر عطا کی۔ سنہ ۱۰۹۲ھ میں جب جگت سنگھ کا لاولد انتقال ہوا تو عالمگیر نے اس کے چچا کشور سنگھ کو کوٹہ کی گدی عطا کی۔

رام سنگھ ہاڈا:۔ سنہ ۳۸ جلوس عالمگیری میں نقارہ مرحمت ہوا۔ دو ہزاری پانصد ذات کا منصب عطا ہوا۔ ہمیشہ وفادار و جاں نثار رہا۔

راؤ کرن سنگھ راٹھور:۔ شاہجہان کے آخری عہد حکومت میں عالمگیر کے ہمراہ دکن میں مامور تھا۔ جب دارا شکوہ نے امرائے شاہی کو عالمگیر کے پاس سے جدا کر کے اپنے پاس بلوایا تو یہ دکن سے سیدھا بیکانیر چلا آیا۔ سنہ ۲ جلوس عالمگیری میں حاضر ہوا اور منصب و خطاب پا کر مہم دکن پر مامور ہوا۔

راجہ انوپ سنگھ کھبورتیہ:۔ سنہ ۱۷ جلوس عالمگیری میں بہادر خان کوکہ کی سفارش پر خطاب راجگی مرحمت ہوا۔ سنہ ۱۸ جلوس عالمگیری میں دکن کی لڑائیوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ سنہ ۲۱ جلوس عالمگیری میں اورنگ آباد کا صوبے دار مقرر ہوا۔ سیواجی کا کامیاب مقابلہ کیا۔

راجہ سروپ سنگھ:۔ انوپ سنگھ مذکور جب فوت ہوا تو عالمگیر نے اس کے بیٹے سروپ سنگھ کو بیکانیر کی حکومت پر مامور فرمایا۔ عالمگیر کو اس پر بڑا اعتماد تھا۔

راؤ سبھکرن بوندیلہ:۔ یہ رسنگھ دیو بندیلے کا پوتا اور عالمگیر کے عہد شہزادگی کا رفیق تھا جنگ اجین۔ جنگ سموگڑھ۔ اور جنگ کھجوہ میں عالمگیر کے ہمراہ جانفشانی کا اظہار کیا۔ سنہ ۷ جلوس عالمگیری میں مرزا جے سنگھ کے ہمراہ مہمات دکن میں خدمات انجام دیں۔ سنہ ۲۱ جلوس

عالمگیری میں فوت ہوا

راؤ دلیپ سنگھ بوندیلہ :- اپنے باپ راؤ سبھکرن کے ساتھ خدمات شاہی انجام دیتا رہا تھا اور عالمگیر کی وفات تک برابر خدمات شاہی میں مصروف رہا؛

راجہ اندرمن :- عالمگیر نے اس کو راجہ کا خطاب دیا۔ پانصد ذات۔ چہار صد سوار کے منصب پر مامور تھا۔ ۳۰ سنہ جلوس عالمگیری میں فوت ہوا؛

راجہ سجان سنگھ :- معرکہ اجین میں جسونت سنگھ کے ہمراہ اور عالمگیر کے خلاف تھا جنگ سموگڑھ کے بعد دربارِ عالمگیری میں حاضر ہوا اور جنگ کھجوہ میں عالمگیر کی طرف سے خدمات شائستہ انجام دیں۔ ۴ سنہ جلوس عالمگیری میں میر جملہ کے ہمراہ مہم آسام میں شریک ہوا سیواجی کے مقابلے میں اور بیجاپور کی مہم میں شریک ہوا۔ ۲۴ سنہ جلوس میں شہزادہ اکبر کے تعاقب پر مامور ہوا ہمیشہ موردِ تحسین و آفرین رہا؛

راجہ دیبی سنگھ :- جنگ سموگڑھ کے بعد دربار عالمگیری میں حاضر ہوا۔ دو ہزاری ذات دو ہزار پانصد سوار کا منصب پایا۔ فوجداری بھیلسہ پر مامور ہوا۔ ۱۰ سنہ جلوس عالمگیری میں محمد امین خان کے ہمراہ کابل میں تعینات ہوا۔ اورنگ آباد میں ایک پورہ آباد کیا تھا۔

رانا راج سنگھ :- رانا راج سنگھ کا باپ رانا جگت سنگھ جو رانا پرتاپ سنگھ کا پڑپوتا تھا۔ عہدِ جہانگیری میں شہزادہ خرم (شاہجہاں) سے مغلوب ہو کر مطیع ہوا اور دربار جہانگیری میں حاضر اور دکن میں مامور ہوا اور اپنے باپ رانا کرن سنگھ کی وفات پر پنجہزاری منصب پر مامور اور رانا کے خطاب سے مفتخر ہوا۔ ۲۶ سنہ جلوس شاہجہانی میں جگت سنگھ فوت ہوا اور اس کا بیٹا راج سنگھ پنجہزاری منصب پر مامور ہو کر اودے پور کا راجہ بنایا گیا۔ ۲۲ سنہ جلوس عالمگیری میں جب جودھپور والوں نے بغاوت کی تو رانا راج سنگھ بھی ان کے ساتھ باغی ہو گیا شاہی فوجوں کے پہونچنے پر پہاڑوں میں جا چھپا اور اودے پور کے علاقے پر شاہی فوج نے قبضہ کر لیا۔ ۲۴ سنہ جلوس عالمگیری میں شہزادہ محمد اعظم کی سفارش سے قصور معاف ہوا۔ منصب پر بحال کیا گیا اور مفتوحہ علاقہ واپس دیدیا گیا۔ اسی سال راج سنگھ کا انتقال ہو گیا؛

رانا جے سنگھ :- یہ رانا راج سنگھ مذکور کا بیٹا تھا۔ ۲۴ سنہ جلوس عالمگیری میں باپ کے

مرنے پر خلعت تعزیت سے مفتخر اور پنجہزاری منصب پر سرفراز ہوا؛

کنور اندر سنگھ :- یہ رانا راج سنگھ کا بیٹا تھا۔ ۲۳ سنہ جلوس عالمگیری میں حاضرِ دربار ہوا دو ہزار ذات ایک ہزار سوار کے منصب پر مامور ہو کر دکن میں خدمات بجالاتا رہا ۴۸ سنہ جلوس عالمگیری میں سہ ہزاری منصب پر ترقی پائی؛

سنگھ بہادر :- یہ بھی رانا راج سنگھ کا بیٹا تھا۔ اپنے بھائی کی طرح دکن میں خدمات شاہی بجالاتا رہا؛

کنور بہادر سنگھ و کنور پرتھی سنگھ :- یہ دونوں بھائی بھی اودے پور کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲۴ سنہ جلوس عالمگیری میں حاضرِ دربار ہو کر خدمات شائستہ بجالاتے اور انعامات حاصل کرتے رہے؛

راجہ بھیم سنگھ برادر راجہ جے سنگھ :- ۲۴ سنہ جلوس عالمگیری میں حاضر دربار اور پنجہزاری منصب پر مامور ہوا۔ ۲۵ سنہ جلوس عالمگیری میں دکن کی مہمات پر شہزادہ محمد اعظم کے ساتھ مامور ہوا۔ ۳۸ سنہ جلوس عالمگیری میں فوت ہوا؛

راجہ رائے سنگھ سیسودیہ :- پہلے سال جلوس عالمگیری میں حاضر ہو کر جنگ کھجوہ میں عالمگیر کے ہمراہ موجود تھا مہم بیجاپور میں بھی خدمات شائستہ بجالایا منصب پنجہزاری پنجہزار سوار پانصد سوار دو اسپہ و سہ اسپہ پر سرافراز ہوا۔ ۱۷ سنہ جلوس عالمگیری میں فوت ہوا؛

راجہ مان سنگھ۔ جہان سنگھ۔ روپ سنگھ :- یہ تینوں بھائی اپنے باپ راجہ رائے سنگھ سیسودیہ مذکور کی وفات کے بعد دربار عالمگیری میں حاضر ہوئے اور خلاع فاخرہ و مناصب جلیلہ پر سرفراز کئے گئے؛

راؤ امر سنگھ چندراوت :- سموگڑھ کی لڑائی کے بعد حاضرِ دربار ہو کر مہم شجاع میں شریک ہوا۔ لیکن راستے سے چلدیا پھر اُس کے بعد حاضر ہو کر قصور معاف کرایا اور مرزا راجہ جے سنگھ کے ہمراہ مہم دکن میں خدمات بجالایا۔ قلعہ سالھیر کی لڑائی میں کام آیا۔ رام پور متصل چتور اُس کی جاگیر تھی؛

راؤ محکم سنگھ :- یہ راؤ امر سنگھ مذکور کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد بہادر خان کوکہ

ذریعے حاضر ہوا۔ خلعت اور منصب ہزار و پانصدی پر مامور ہوا اور آخر عمر تک وفاداری کے ساتھ خدمات شاہی انجام دیتا رہا۔

راؤ گوپال سنگھ سیسودیہ:۔ ۳۳ جلوس عالمگیری میں حاضرِ دربار ہو کر ملازمان شاہی میں داخل اور خلعت و منصب سے سرافراز ہوا۔

راجہ رتن سنگھ عرف راجہ اسلام خان:۔ شاہی منصب دار تھا۔ مختار خان صوبہ دار مالوہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔

بیرم دیو سیسودیہ:۔ جنگ سموگڑھ میں داراشکوہ کی فوج کے ہراول کا سردار تھا۔ شکست و فراری کے بعد عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہو کر سہ ہزاری ذات و سہ ہزار سوار کے منصب پر مامور ہوا اور تا زیست عالمگیر کا وفادار رہکر خدمات شاہی بجالاتا رہا۔

راجہ راجروپ:۔ یہ راجہ باسو کا پوتا تھا۔ یہ داراشکوہ کا طرفدار اور جموں و کانگڑہ کا راجہ تھا خلیل اللہ خان کے ذریعے دربار عالمگیری میں حاضر ہو کر سہ ہزار و پانصدی ذات و سہ ہزاری پانصدی سوار کے منصب پر مامور ہوا۔ ہمیشہ خدمت شائستہ بجالاتا رہا۔

راجہ پہاڑ سنگھ:۔ مہم بدخشاں میں شریک اور غوربند کی تھانیداری پر مامور رہا۔

مندرجہ بالا چند نام بطور نموذج درج کئے گئے ہیں۔ اس فہرست کو بہت زیادہ طویل کیا جا سکتا ہے اور کئی گنے نام اسی قسم کے اعلیٰ ہندو منصبداروں کے تاریخوں سے تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ بخوفِ طوالت اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

باب ہشتم

عالمگیر اور حکومتِ عالمگیری پر ہندو محققین کی رائے زنی

عالمگیر کے متعلق مندرجہ بالا ابواب میں ہندو مورخوں اور ہندو واقعہ نگاروں ہی کے

الفاظ و اقوال درج کئے گئے ہیں مسلمان مورخوں کی تاریخوں میں جو کچھ صحیح اور اصلی حالات موجود ہیں اُن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اس تالیف کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہندو دوستوں کے سامنے خود ہندو علماء اور منصف مزاج ہندو واقعہ نگاروں کے فیصلے جو عالمگیر کے معاملے میں اُنہوں نے کئے ہیں پیش کر دیئے جائیں اور اس ملک کے ہندو باشندوں کو خود اپنی ہی قوم اور اپنے ہی مذاہب کے لوگوں کی زبانی حقیقت آشنا بنکر اُس غلط فہمی سے نکلنے کا بآسانی موقع مل سکے جس میں وہ گرفتار کر دیئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں مثلاً پورانے مندروں کے حالات۔ یا مثلاً امرائے ہنود کی فہرست جو باب ہفتم کے آخری حصے میں موجود ہے۔ یا مثلاً کسی جغرافیائی حقیقت کے بیان میں کسی ہندو مورخ کے حوالے کی ضرورت ہی نہیں تھی اس لئے کہ قدیم مناور اپنی اپنی جگہ موجود ہیں۔ امرائے ہنود کے حالات ہندو اور مسلمان دونوں کی لکھی ہوئی تاریخوں میں موجود اور مشہور ہیں جس میں کسیکو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ تاہم اگر اس قسم کے مشہور اور متفقہ باتوں کو جن کے بیان کرنے میں کسی ہندو مورخ کا نام نہیں لیا گیا حذف کر دیا جائے تب بھی اس تالیف کا ہر ایک باب اپنے اندر محض ہندو مورخین کی رقم فرمودہ اتنی شہادتیں رکھتا ہے کہ کسی قسم کا کوئی نقصان نفسِ مطلب کو نہیں پہونچ سکتا۔ اب ذیل میں چند ہندو اہلِ قلم اور ہندو اہلِ نظر کے ریویوز جو اُنہوں نے عالمگیر پر کئے ہیں درج کئے جاتے ہیں:۔

پنڈت وتستہ پرشاد صاحب فدا بی۔ اے

جناب پنڈت وتستہ پرشاد صاحب فدا بی۔ اے نے "شہنشاہ عالمگیر خلد آشیانی" کے عنوان سے ۱۹۲۱ء میں ایک مضمون لکھ کر رسالہ عبرت کے دسمبر ۲۱ء کے پرچے میں چھپوایا تھا میں اُس مضمون کو رسالہ مذکور سے ذیل میں نقل کرتا ہوں:۔

" اسکولوں کے نصاب تعلیم میں جس دن سے تاریخ ہند شامل ہوئی ہے۔ اُس دن سے برابر خاندان مغلیہ کے سب سے زیادہ مقتدر اور صاحب شوکت شہنشاہ محی الدین اورنگزیب کی شان میں طرح طرح کی ناز یبا باتیں کہنے اور سننے میں آرہی ہیں۔ امتحانوں میں اکبر کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت سادہ لوح

طالب علم دو تین نمبروں کی خاطر بہتیری ناگفتنی و ناشنیدنی باتیں شہنشاہ عالمگیر کے حق میں لکھتے ہیں۔ لیکن کسی کو خیال تک نہیں آتا کہ کہیں انصاف کا خون نہ ہوتا ہو۔ اور تو اور مسلمان طلباء کو بھی اتنی وسعت حوصلہ نصیب نہیں ہوئی کہ اصل واقعات کو عدل و انصاف کی کسوٹی پر پرکھ کر تو دیکھیں۔ اُن کی خودداری اور غیرت کے جذبات نے بھی اِس بات کا تقاضہ نہ کیا کہ جس بادشاہ نے بڑی عالی حوصلگی سے مال کو صدقۂ جان اور جان کو صدقہ ایمان کر کے دکھایا اُس پر بہتان باندھنے والوں کی کچھ روک تھام کیجائے۔ خیر جو کچھ ہوتا رہا ہے۔ اچھا ہوتا رہا ہے۔ رایوں کے اختلاف سے باہمی مصالحت میں فرق آجاتا ہے تو اور بھی خرابی واقع ہوتی ہے۔ ہماری مدح و ذم سے اُس شخص کا کیا بن یا بگڑ سکتا ہے جو دو سو برس سے زاید عرصے سے اپنے معبودِ حقیقی کے کنارِ عاطفت میں سرورِ ابدی حاصل کر چکا ہے۔"

غلط بیانیوں سے اصل واقعات تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اگر ساری دنیا متفقہ طور پر اپنے اپنے خود غرضانہ نکتہ خیال سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ گرداننا شروع کر دے تو اس سے صرف دماغ کا قصور متصور ہوگا۔ نہ یہ کہ سچ جھوٹ ہو جائے گا اور جھوٹ سچ۔ اپنے ہم جنسوں کے مافی الضمیر کا موازنہ کرنے میں انسان ہمیشہ غلطی کھاتے چلے آئے ہیں اور آئندہ غلطی کھاتے رہیں گے۔ لیکن قربان جائیے اُس قادرِ مطلق کے ضبط اور حوصلے کے کہ باوجود اس ہمہ دانی کے وہ اپنی مخلوق کے غیر محققانہ فتووں سے کبھی برانگیختہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب تک میرا نام دُنیا میں موجود ہے حقیقت حال آخر کھلے گی۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔

جائے غور ہے کہ جس مرد میدان نے توحید اور پاک نفسی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا ہو اُس کو غاصب و غدار کوتاہ اندیش اور طماع کے ناموں سے نامزد کرنا انصاف کے گلے پر چھری پھیرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ شہادت

موجود ہے کہ یہ باکرامت شہنشاہ محل شاہی کی مسجد میں ساری ساری رات اہلِ کمال کی صحبت میں گزار دیتا۔ سوائے دربار کے وقت کے ہمیشہ عزلت گزینی کو تخت نشینی پر ترجیح دیتا۔ عنان سلطنت ہاتھ میں لینے سے پیشتر اپنا پیٹ کاٹ کر محتاجوں اور فلک زدوں کی دستگیری کرتا رہا ہے اور جب سے اورنگ جہانبانی پر جلوس فرمایا۔ دہلی کے مضافات اور بعض حصص کی ساری کی ساری آمدنی جو خاص مصارف شاہی کے لئے مخصوص تھی۔ خیرات۔ ذکواۃ کے لئے وقف کردی۔ ماہ رمضان روزہ دار رہکر گزار دیتا۔ چھ چھ بلکہ نو نو گھنٹے رات گئے تک خدا رسیدہ بزرگوں کے ساتھ بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتا۔ اسی عقیدت مند بادشاہ کا حصہ تھا عنفوانِ شباب سے لیکر دمِ واپسیں تک اورنگزیب کو ممنوعات سے پورا پورا پرہیز رہا۔ اخلاق کا اس سے بڑھکر معیار اور کیا پاؤ گے کہ موسیقی کا اس قدر ماہر ہونے کے باوجود راگ رنگ کی محفلیں اُسے ایک نظر نہ بھاتی تھیں۔ کیا مجال جو چاندی یا سونے کے ظروف میں کوئی کھانا چنکر لائے۔ وہی جام سفالین وطشت گلی دل کو مرغوب تھا۔ جو شاہ و گدا میں تمیز پیدا نہ ہونے دے؛

قرآن کی ایک ایک آیت لوح دل پر کندہ تھی۔ پھر لطف یہ کہ جہاں زبان کو اس کلام پاک کی تلاوت سے ایک خاص تاثر حاصل تھا۔ وہاں دل کو اس معرفت آموز کلام کے معانی سے ایک عالم وجدانی میسر۔ قرآن شریف کے دو نسخے کمال صحت وخوبی سے خط نسخ میں لکھے۔ مکہ اور مدینے شریف میں تحفتہً پیش کئے۔ تحریر میں نظم و نثر کے تمام اصناف پر حاوی تھا۔ لیکن شاعری سے اس بنا پر پرہیز تھا کہ شاعری مبالغے کی محتاج ہے، دل میں اخلاقی و ادبی اشعار کی قدر موجود تھی۔ غرضیکہ کیا بلحاظ حسنِ اخلاق اور کیا بلحاظ صفائے قلب شہنشاہ عالمگیر اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔

دربار میں راست بازی کا وہ عالم تھا کہ کوئی امیر کسی قسم کے ناشائستہ کلام یا ہزل و لطلان کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا جس میں دو تین مرتبہ

دربار نہ ہوء عالمگیر خندہ پیشانی سب سے پیش آتے۔ بات بات سے نرمی و ملائمت کی جھلک آتی بیسیوں دادخواہ دربار میں پیش ہوتے۔ بیداد کی فریاد کرتے ۔یہاں اُن کے حقوق کی جائز نگہداشت اور دادرسی ہوتی تھی مرات عالم کا مصنف لکھتا ہے کہ عدل وانصاف کرتے وقت بادشاہ کو کبھی کسی نے چین بجبیں ہوتے نہیں دیکھا۔ بلکہ فریادیوں کے شوروشغب اور جوشیلی باتوں پر شہنشاہ عفوو فروگزاشت کو کام فرماتے۔ کسی سخت سزا کا فتویٰ دیتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ اُسوقت دل پر غصے اور جوش کا تصرف نہ ہو؛

اپنے والد کے حین حیات میں جب اورنگزیب حاکم دکن مقرر ہوئے تو جہاں پسرانہ جذبات اس بات کے متحمل نہ ہوسکے کہ والد ماجد کے احکام کی تعمیل سے منہ پھیرا جائے وہاں یہ آرزو بھی دل میں تھی کہ کاش مجھے دنیا سے کچھ سروکار نہ ہوتا اور میری زندگی کا انداز فقیرانہ ہوتا۔ میرے دل کو اطمینان اُسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جبکہ میری تمام عمر یاد خدا اور نیک کاموں کے سرانجام دینے میں صرف ہو۔ فی الحقیقت یہ ترنگ ساری عمر عالمگیر کے ہمدوش رہی۔ یہانتک کہ گوشت کھانے تک سے پہلوتہی ہونے لگی؛

۱۶۶۵ء کا ذکر ہے کہ چار ہفتوں تک یعنی جب تک کہ ایک حیرت انگیز سیارہ آسمان پر نمودار رہا۔ اورنگزیب تھوڑا سا پانی اور تھوڑی سی جوار کی روٹی کھا کر صبروشکر سے بسر اوقات کرتے رہے۔ رات کو زمین پر پڑ رہتے اور شیر کی کھال اپنے گرد لپیٹ کر سو رہتے۔ اس فاقہ کشی اور نفس کشی کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپکی جسمانی حالت بہت گر گئی۔ اُس دن سے آخری دم تک جسم کو صحت و توانائی نصیب نہ ہوئی؛

ایک دفعہ ایک امیر نے بہت اصرار کیا کہ جہاں پناہ سلطنت کے کاروبار میں اس قدر تندہی سے کام نہ کیجئے۔ خطرہ ہے کہ نصیب دشمناں کہیں صحت میں فرق نہ آجائے۔ آپ نے اس مضمون کا مراسلہ لکھ بھیجا

فرماتے ہیں:۔

" کہ اُس قادر مطلق نے مجھے دُنیا میں اس غرض سے نہیں بھیجا کہ میں محنت و مشقت کر کے صرف اپنی زندگی برقرار رکھوں۔ بلکہ اس لئے کہ میں اوروں کے لئے جیوں۔ میرا فرض یہ نہیں کہ اپنے لئے راحت کے سامان بہم پہونچاؤں بلکہ یہ کہ اپنی رعیت کی خوشی میں اپنی خوشی سمجھوں۔ میری شان کے شایان یہ ہے کہ اپنی رعایا کے آرام و بہبودی کو ہمیشہ مدنظر رکھوں اور اُن کے امن میں ہرگز خلل انداز نہ ہوں تاوقتیکہ انصاف تقاضا نہ کرے یا اختیارات شاہی اور حفظ سلطنت کے برقرار رکھنے کا سوال درمیان میں نہ آپڑے "

اپنے والد محترم شاہجہاں کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

" خداوند حقیقی اُسی آدمی پر ایک سلطنت کا بارِ امانت ڈالتا ہے جو اپنی رعایا کی دلجوئی اور تحفظ کے خیال کو جان سے سوا عزیز رکھے۔ ہر اہلِ خرد پر واضح ہے کہ نہ بھیڑیا گلہ بانی کے لائق ہے اور نہ بزدل شخص سے سلطنت کی اہم ذمہ داریاں نباہنے کی اُمید ہو سکتی ہے۔ شہنشاہی خلق خدا کی رہنمائی کا نام ہے۔ ریاکاری کا نہیں "

اِن حالات کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ اورنگزیب ایک فقیر دوست نہ تھا جس نے مذہبِ اسلام کی شان و شکوہ کو اپنے زہد و تقوے کے زور سے اپنے اصلی روپ میں دکھایا تھا۔ اُس کی تمام زندگی ایک ولولہ تھی جسے دوسرے لفظوں میں تجلیات باری سے فیضیاب ہونے کی ایک زبردست خواہش کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اگر اُس نے اپنی رعایا کو مذہب اسلام کے محاسن جتانے کی کوشش کی ہے تو اُس بلبل کی اسپرٹ میں کی ہے جو شاہد گل کی خوبیوں سے آشنا ہو کر قمری اور بھونرے کو اپنے ساتھ نوحہ گر ہونے کی تلقین کرے۔ باوجود معتقد رہونے کے اُسے قطعاً طاقت کا زعم نہیں تھا وہ تنگ دل نہیں تھا۔ وہ اپنی رعایا پر جبر روا رکھنے کے لئے بادشاہ نہ بنا تھا۔ اگر اُس نے

کسی شخص کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی ہے تو اُس نے محبت کے جذبات سے متاثر ہو کر ایسا کیا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ مذہب کی جس جنس گراں بار سے وہ خود مالامال ہوا ہے اُس سے اُس کی رعایا بھی بہرہ ور ہو۔ اگر اُس نے مسمار شدہ مندروں کی جگہ مسجدیں بنوادی ہیں تو اس خیال سے کہ خانۂ خدا بنانے کے لئے اُس کے پاس مسجد کے نقشے سے بہترین کوئی پلین (نمونہ) تھا ہی نہیں؛

اگر اکبر نے اپنی رعایا کو مسلمان بننے کی ترغیب نہیں دی تو اِس کی وجہ یہ تھی کہ اکبر خود مسلمان نہ تھا۔ وہ درشن کے جھروکے میں چھپ چھپ کر سورج کے گرد ذرہ مثال پھرتا تھا۔ خود اُس کے پاؤں برقرار نہ تھے دوسروں کو کس طرح پیروں پر کھڑا ہونا سکھاتا۔ جہانگیر اور شاہجہاں کو نور جہاں اور ممتاز محل کی اطاعت سے فرصت ملتی تو خدا کی اطاعت کا بھی دم بھر لیتے۔ لیکن عالمگیر کے ظاہر و باطن میں تو خدا جلوہ گر تھا۔ اُس کی سپرٹ کو جو نہ سمجھے وہ تنگدل ہے نہ کہ عالمگیر، اُس کے دل کی وسعت گمان و قیاس سے برتر ہے؛

اورنگزیب پکا مسلمان تھا۔ مذہبِ اسلام کا سچا شیدائی تھا۔ وہ مذہب کو زندگی کا ایک جزوِ اعظم سمجھتا تھا نہ کہ ایک دھوکے کی ٹٹی جس کی آڑ میں شکار کھیلا جائے۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کے علاوہ جتنے شہزادے تختِ دہلی کے وارث ہیں وہ اسلام کو ایک ذہنی تصور تو جانتے ہوں گے لیکن اُسے زندگی میں ڈھالنے کی قدرت نہیں رکھتے اُدھر وہ سب اس کی خداپرستی اور اتقا سے ایسے متنفر تھے جیسے لاحول سے شیطان۔ تاڑنے والی نگاہیں تاڑ گئیں کہ شاہجہاں کے آنکھیں بند کرنے کی دیر ہے یہ اسیرانِ ہوس سازشوں کے ایسے جال بچھائیں گے کہ سلطنت مغلیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رہیں گے اور طرح طرح کے مفسدات سے بے گناہوں کے خون بہیں گے۔ اسلام کا نام بدنام کرنے والے شہزادے عیش و عشرت کے ہاتھوں بک کر تیمور و چنگیز کے نام کو بٹہ

لگائیں گے۔ غیرت کا دِل میں ایک درد سا پیدا ہوا۔ دھر درگاہ ایزدی سے تائیدِ غیبی کیلئے اورنگزیب سائل ہوا۔ قہرِ الٰہی صاعقہ بنکر اُترا اور مخالفین کے خرمن کو جلا کر ڈھیر کر گیا۔ ظاہر بیں آنکھیں اِسی دھوکے میں رہیں کہ اورنگزیب نے اپنے بھائی قتل کر ڈالے۔ دیکھئے مسلمانوں کی نسبت ہندو کتنے ژرف نگر واقع ہوئے ہیں۔ ارجن نے بھی تو کورو کھشیتر کے میدان پر ایک سو چھبیس بھائیوں کو پچھاڑا تھا۔ لیکن کیا مجال جو کوئی ہندو اس پر حرف گیری کر جائے۔ بلکہ سب کے سب یکزبان ہو کر کہتے ہیں کہ کرشن نے تو پہلے ہی سے کوروؤں کو نشانۂ اجل بنا رکھا تھا صرف ارجن کے سر پر ظفر مندی کا سہرا باندھنا مقصود تھا جو اس کے ہاتھوں میں شمشیر دی گئی۔ ادھر اورنگزیب جیسے باکمال شخص کی آہ اس کے مفسدہ پرداز بھائیوں پر اپنا اثر کر گئی۔ تو بجائے اس کے کہ مسلمان بھائی خدا کی حکمت کاملہ کے قائل ہوتے سارا قصور اورنگزیب کے سر مڑھتے ہیں ؎

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اورنگزیب تخت نشین نہ ہوتا تو سلطنت مغلیہ کو کبھی زوال نہ آتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اس کے جانشینوں میں سے دو آدمی بھی اورنگزیب جیسے خداپرست۔ متقی اور معاملہ فہم ہوتے تو سلطنت مغلیہ کو غیر متوقع عروج حاصل ہوتا ؎

جن حضرات نے لاہور کی شاہی مسجد کی زیارت کی ہے۔ وہ اگر عالمگیر.. کے دِل کی وسعت اور عالی حوصلگی کا اندازہ لگا سکیں تو عجب نہیں۔ خاکسار نے جب اوّل اوّل اس کے شاندار شش پہلو میناروں کی رفعت بلند دیوار دل اور عالیشان ڈیوڑھی کی ہیئت سنگ مرمری گنبدوں کی شان اور مسجد کے اور حصص کی فراخی۔ درمیانی صحن کی وسعت دیکھی تو دل نے گواہی دی کہ شاہ مرحوم واقعی آئندہ نسلوں کے لئے ایک چھوٹے پیمانے پر اپنی فراخدلی کا ایک نمونہ پیش کر گیا ہے ؎

بعض آدمی کسی بزرگ کی عظمت کا اندازہ اس کی شاندار موت سے

لگاتے ہیں۔ شہادت موجود ہے کہ عالمگیر کی موت سے اُس کے شان و شکوہ اور حسنِ عقیدت کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ کون مسلمان ہے جو جمعہ کے دن کی موت کو خاص وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ پھر اُس پر طرفہ یہ کہ مرتے دم تک اُس کی عبادت اور دستورالعمل میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔ جمعرات کی شام کو ایک خان نے ایک عرضداشت بھیجی کہ میں چار ہزار روپیہ یعنی ایک ہاتھی کی قیمت حضور کے سر صدقے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ قبول فرمائیے۔ آپ نے اُس کی درخواست منظور فرمائی اور اپنے ہاتھ سے جواب لکھا اور دعا کی کہ اِس منت سے خدا خوش ہو اور میرا انجام بخیر کرے۔ جمعہ کی صبح کو باقاعدہ طور پر نمازِ صبح ادا کی اور پھر اپنی خوابگاہ میں لیٹ کر یادِ خدا میں مصروف ہو گئے۔ اتنے میں غشی طاری ہو گئی۔ مرتے مرتے بھی تسبیح پر ہاتھ تھے۔ ایک پہر دن گزرنے پر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی"۔

خدا کرے کہ ہمارے ملک کے لوگ ایسے جلیل القدر شہنشاہ کی قدر کرنا سیکھیں (فدا)"۔

لالہ شیام داس صاحب

لالہ شیام داس صاحب نے ایک مضمون سنہ ۱۹۱۴ء میں لکھ کر لاہور کے مشہور اخبار زمیندار میں شائع کرایا تھا۔ اُس مضمون کا اقتباس رسالہ عبرت بابت مارچ سنہ ۲۲ء میں درج ہوا تھا۔ ذیل میں رسالہ مذکور سے اس مضمون کو نقل کرتا ہوں:۔

(۱)

"سنگلاخ وادیٔ سیاست کے راہگیر بعض اوقات اغراض حکومت کے لئے راہزن بھی ہو جاتے ہیں۔ متاعِ امن و امان کی غارتگری بھی روا رکھتے ہیں اور یہ خصوصیت کچھ عہدِ قدیم ہی کی نہ تھی۔ عہدِ جدید بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مگر ان مخصوصات کی تعمیم جمہور پر نہیں کھپ سکتی اور نہ سلاطین و سیاست گرانِ روئے زمین کی رائیں عام رائے پر محمول ہوتی ہیں۔ نپولین بونا پارٹ ایک

ملک گیر شہنشاہ تھا۔ قیصر ولیم فرمانروائے جرمنی کو ایک نبرد آزما محب حرب و ضرب کہا جاتا ہے۔ اِن دونوں کے شخصی وجدان و میلان کے اثر نے مسالمت کوش دُنیا میں ہنگامۂ رستخیز برپا کر دیا۔ بایں ہمہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ باتیں پبلک کی آئینۂ خیال ہیں جب ولیم و نپولین کی پُر شور مسئولیت و عالم آشوبی اہلِ جرمن و اہلِ فرانس پر عائد نہیں کی جاتی تو کیا سبب ہے کہ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کی روایات تعدی و طغیان کا (الفرض صحت وقوع) اِس وقت کے اہلِ اسلام کو ذمہ دار کہا جائے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ سیاست دوسری چیز ہے۔ اور معاشرت شے آخر۔ سیاست نے فرزندِ رسول (حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب) کا عنید معاویہؓ بن ابی سفیان جیسے صحابی کے فرزند ابو خالد یزید کو بنا دیا تھا۔ پھر کیا اِس سے مسلمانوں کو خانوادۂ نبوت و عترت طاہرہ کے ساتھ تعلق نہیں رہ گیا تھا؟ اور کیا خود یزید اور اُن کے اعوان و انصار اپنی پنجگانہ نمازوں میں اللھم صلی علیٰ محمد و علیٰ آلِ محمد کی دعائے مستجاب ہمیشہ نہ پڑھتے تھے؟

(۲)

عہدِ عالمگیر کے ہندو قوم فروش نہ تھے۔ ملت فروش نہ تھے۔ اُن کی مذہبی و اخلاقی حالت ہم سے اچھی تھی۔ اگر اُس وقت ہندو مسلمانوں کا سوال ہوتا یا عالمگیر کے عدوان و استبداد کو اُنہوں نے ہندو مذہب و قوم کے خلاف ایک تحریک عام کی شکل میں دیکھا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اُنہیں سلطنت عالمگیر کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی باقی رہ جاتی۔ لیکن واقعات اس کے مغائر و بالعکس ہیں۔ تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ عالمگیر کے ارکان دولت و اعضائے حکومت مسلمان ہی نہ تھے۔ ہندو بھی تھے اور بکثرت تھے۔ نواب شاہنواز خان صفوی کی مشہور و معروف تاریخ مآثر الامرا کو دیکھو جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے شائع کی ہے اس سے تم کو واضح ہو جائے گا کہ یہ حقایق آگاہ بیان صدق

کس قدر شائبہ فریب سے بری ہے۔

(۳)

دُنیا کی بہت ہی کم سلطنتیں ایسی ہوں گی جو اپنی محکوم قوموں پر جنھیں وہ اپنا حریف سمجھتی ہوں اعتماد کر سکیں یا ان کو ملکی و مالی و حربی ذمہ داریاں دے سکیں۔ لیکن عالمگیر نے سلطنت کے ہر ایک اہم و اعلیٰ شعبہ میں ہندوؤں کو افسر بنا رکھا تھا۔ پھر کیا اس نظیر کے ہوتے ہوئے یہ کہنا جائز ہے کہ اُس کو ہندو مذہب یا ہندو قوم سے تعصب تھا۔ یا اُس کے جوشِ عصبیت نے ملک میں ہندو مسلمانوں کا ایک عام سوال پیدا کر رکھا تھا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔

(۴)

اورنگزیب کے وقت میں ایک مسلمان درویش سرمد دہلی میں تھا۔ جس کے بے شمار مسلمان روزانہ مرید ہوتے جاتے تھے جب شہنشاہ اورنگزیب نے سرمد کی طاقت کو اس قدر ترقی کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ سلطنت کے لئے باعثِ خطرہ ہو سکتی ہے تو اُس نے اس فقیر بےنوا کو قتل کر ڈالا۔ پھر کیا یہ سیاست نہ تھی۔ کیا مسلمان اس کو خلاف اسلام تحریک سمجھے؟ اگر نہ سمجھے تو ہندوؤں کے خلاف اُس کے طرزِ عمل کو ہندو مسلمانوں کا سوال کیوں بنایا جائے دکن میں صرف دو مسلمان ریاستیں گولکنڈہ اور بیجاپور کی باقی رہ گئی تھیں شہنشاہ اورنگزیب تقریباً بیس سال تک ان کو فتح کرنے کے واسطے لڑتا رہا اور اُن کا ناک میں دم کر دیا۔ بالآخر ان دونوں ریاستوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ تاریخوں میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اورنگزیب کی سب سے بڑی خواہش دکن کی مسلمان سلطنتوں کا الحاق تھا۔ بیس سال تک اُس نے اپنے جرنیل بیجاپور اور گولکنڈہ کی فتح کے لئے بھیجے مگر وہ فتح نہ ہوئیں۔ پچیس سال کے بعد وہ خود فوج لیکر میدان میں

نکلا اور وہ دونوں سلطنتیں تخت وتاج مغلیہ کے ماتحت ہوگئیں ؛

(۵)

اورنگ زیب کے عہد میں راجہ گردھر رائے مالوہ میں پادشاہ کی طرف سے صوبے دار تھا۔ وہ دس سال برابر مرہٹوں کے ساتھ لڑتا رہا اور مالوہ میں اُن کا قدم نہ جمنے دیا۔ نظام الملک مالوہ اور گجرات میں پادشاہ کی طرف سے صوبے دار تھا۔ اورنگزیب نے اُس سے مالوہ اور گجرات کی صوبیداری چھین کر گردھر رائے کو وہاں کا صوبے دار مقرر کیا تھا۔ کیا ایک مسلمان صوبے دار کو صوبے سے نکال کر اُس کی جگہ ہندو صوبے دار مقرر کرنا شاہی تعصب کا باعث تھا؟ یا راجہ گردھر رائے مسلمان تھا؟"

مہتہ آنند کشور جی

مہتہ آنند کشور جی اپنی کتاب سوانحمری گورو گوبند سنگھ کے صفحہ ۷، ۸ میں عالمگیر کی نسبت مندرجہ ذیل الفاظ میں اظہارِ خیال فرماتے ہیں :-

" میری رائے میں اگر مسلمان پادشاہوں کی غرض محض مذہب پھیلانا ہی ہوتی تو وہ خود اپنے دین کے نہایت پابند ہوتے۔ مگر دیکھتے ہیں اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ عالمگیر اورنگزیب ہی کو لیجئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کا اتنا بڑا دشمن اور کٹر مسلمان تھا کہ جب تک وہ ہندوؤں کے سوا من زنار نہ اتار لیتا کھانا نہ کھاتا۔ یہ بات دیکھکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ خود اپنے دین پر کار بند ہوگا۔ مگر برخلاف اس کے ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اُس نے اپنے بھائیوں کا خون کیا۔ اپنے باپ اور اپنے بیٹوں کو قید کیا۔ در اصل بات یہ ہے کہ ہر ایک بادشاہ خودغرضی کو مدِ نظر رکھ کر ایک دوسرے کے مذہب کے خلاف اپنی افواج کو بھڑکاتا تھا ہندوستان کی سچی تواریخ آجتک کسی نے نہیں لکھی .... مشکل یہ ہے کہ اب ہندو مسلمانوں کی آپس میں جنگ ہوتی دیکھتے ہیں۔ مگر اُن کی دلی

اغراض کو جو اُن کو جنگ کرنے کے لئے آمادہ کرتی ہیں دیکھنا آپ کی طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ جس قدر تاریخیں اس وقت ہمیں ملتی ہیں اُن میں ان جنگوں کی اصلی اغراض کو دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اور ہمیں مغالطے میں ڈالا گیا ہے۔"

لالہ بابو رام صاحب

لالہ بابو رام صاحب خلف لالہ اجودھیا پرشاد صاحب رئیس نواب گنج اپنی تاریخ "مختصر سیر گلشنِ ہند" میں عالمگیر کی نسبت لکھتے ہیں:۔

"جب بھائیوں کے خطرے سے بےخوف ہو کر وہ پادشاہت کرنے لگا تو سنہ ۱۶۶۶ء میں اُس کے دربار میں عرب۔ اور ایران اور توران اور حبش وغیرہ کے ایلچی حاضر تھے۔ صوبےدار کشمیر نے چھوٹا تبت اور صوبےدار بنگالہ نے چٹگام فتح کر لیا تھا۔ سنہ ۱۶۸۶ء میں عالمگیر نے اپنی فوج کے تین حصے کر کے دکن پر چڑھائی کی۔ سنہ ۱۶۸۷ء میں پادشاہت دکن کی بالکل اورنگزیب کے ہاتھ لگی۔ عالمگیر نہایت جوانمرد آدمی تھا۔ ۸۰ برس کی عمر میں ایک فرانسیسی نے اُس کو دیکھا کہ عدالت کے درمیان کھڑا تھا۔ قد اُس کا لانبا۔ بدن لاغر۔ پشت خم۔ بینی دراز۔ ڈاڑھی گول سفید۔ اور سادی پوشاک پہنے چوبدستی کے سہارے سے امیروں کے درمیان مستغیثوں کی عرضیوں کو لیکر اُن پر مناسب حکم لکھتا تھا اور اس کام میں اُس کا چہرہ بشاش تھا۔ عالمگیر سلطنت کا کام نہایت ہوشیاری سے کرتا تھا۔ عالمگیر نے پچاس برس بادشاہت کی۔"

راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند

راجہ شیو پرشاد صاحب ستارۂ ہند اپنی تاریخ ہند مسمی بہ "آئینۂ تاریخ نما" میں لکھتے ہیں کہ:۔

" بیجاپور اور گولکنڈہ دونوں (اسلامی) سلطنتوں کے فتح کر لینے سے گویا اورنگزیب کے دل کا ارمان بالکل پورا ہو گیا۔ لیکن سچ پوچھو تو ہم اسی تاریخ سے دلّی کی پادشاہت کا تنزل تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ اِس بات میں کسی طرح کا شبہ نہیں کہ خاندانِ تیموریہ کا تخم زوال اسی وقت بویا گیا۔ گو شاخ اُس کی دوسرے زمانے میں نکلی کیونکہ بیجاپور اور گولکنڈہ کی پادشاہتوں سے دکن میں ایک خاصا انتظام ہو رہا تھا اور اُن کے باعث مرہٹوں پر نہایت رعب تھا۔ اِن سلطنتوں کے برباد ہوتے ہی وہاں ہر طرف غدر مچ گیا۔ جو سپاہ ان پادشاہوں کی نوکر تھی وہ بھی اکثر مرہٹوں سے جا ملی۔ پھر تو مرہٹوں نے دل کھول کر لوٹ مار کرنا شروع کر دیا۔ اورنگزیب واقعی اس امر میں قابل ستائیش ہے کہ اُس نے اپنے جیتے جی تک سلطنت میں خلل نہیں پڑنے دیا۔ اگرچہ آثار زوال کے اُس کو معلوم ہو گئے تھے "

پھر آگے چلکر لکھتے ہیں کہ :-

" پچاس برس اُس نے بادشاہت کی۔ سلاطین ہندوستان میں یہ آخری پادشاہ اہلِ اسلام بہت نامور گزرا ہے۔ اگرچہ یہ بادشاہ بہت سن رسیدہ ہو گیا تھا تو بھی سلطنت کے کاروبار کی محنت سے نہیں تھکتا تھا۔ ذرا ذرا کام خود ملاحظ کرتا۔ ہر طرف کے آنے جانے والوں سے خبر لیتا رہتا اور حالات دریافت کرتا بغیر اُس کے حکم کے کوئی کام نہ ہوتا دکن کی لڑائیوں میں وہ جوان سپاہیوں سے بھی زیادہ سختیاں برداشت کرتا تھا۔ اس پادشاہ کی ہوشیاری اور بہادری میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہے "

پروفیسر من موہن صاحب ایم۔ اے

پروفیسر منموہن صاحب ایم۔ اے پروفیسر شعبہ تاریخ گورنمنٹ کالج لاہور اپنی تاریخ سندھ حصہ اول مطبوعہ ۱۹۱۷ء میں لکھتے ہیں کہ :-

"ہوشیاری - تدبیر - بہادری اور اولوالعزمی میں اورنگزیب اپنے بھائیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا - اُس کو اپنی طبیعت پر قابو تھا - میدانِ جنگ میں ایسا دلیر کہ اُسے دیکھ کر ہر ایک سپاہی کے دل میں جوش پیدا ہوتا تھا - جو محصول ہندو جاتریوں سے لیا جاتا تھا وہ اورنگزیب نے موقوف کر دیا - اِس ٹیکس کے بند ہونے سے شاہی خزانے کو لاکھوں کا نقصان ہوا - مگر اورنگزیب اپنے ارادے کا پکا تھا - اورنگزیب کی ذاتی زندگی نہایت پاکیزہ اور سادہ تھی - شاہی خزانے سے اپنے واسطے کچھ خرچ نہیں کرتا تھا اور اپنا گزارہ کتابت سے اور ٹوپیاں کاڑھ کر کرتا تھا جہانگیر اور شاہجہاں نے تو تمام عمر عیش و عشرت کا بازار گرم رکھا تھا مگر اورنگزیب کی زندگی فقیرانہ وضع کی تھی - سلطنت مغلیہ کا تمام بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا - اپنے بیٹوں کی جانب سے مشکوک رہتا تھا وہ ہندوؤں کے علاوہ شیعہ مسلمانوں سے بھی بدظن رہتا تھا اور شیعہ بھی اُس سے خوش نہ تھے - اورنگزیب کی قبر پر کوئی شاندار مقبرہ نہیں کیونکہ پادشاہ نے اسکی ممانعت کر دی تھی - جیسی سادہ اُس کی زندگی تھی ویسی ہی سادہ قبر بھی بنی"!

لالہ رام پرشاد صاحب ایم - اے

لالہ رام پرشاد صاحب ایم - اے سابق پروفیسر شعبۂ تاریخ گورنمنٹ کالج لاہور اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۹۱۳ء میں لکھتے ہیں کہ :-

"اورنگزیب کی بڑی آرزو یہ تھی کہ دکن کے مسلمان پادشاہوں کو اپنا مطیع کرے بیدر، احمد نگر اور ایلچ پور مفتوح ہو چکے تھے - بیجاپور اور گولکنڈہ ابھی خود مختار تھے ان کا فتح کرنا آسان نہ تھا اور جب تک پادشاہ ۱۶۸۶ء میں بذاتِ خود چڑھ کر نہ گیا بیجاپور فتح ہو کر سلطنتِ مغلیہ میں شامل نہ ہوا - دوسرے سال

گول کنڈہ بھی فتح ہو گیا۔ مرہٹوں کو بھی اُس نے تقریباً تباہ کر دیا۔ ۱۷۰۷ء میں اُس نے احمد نگر میں وفات پائی۔ اورنگزیب دیندار مسلمان تھا۔ اُس نے محصول راہداری۔ جنگی عرس و جاترہ کے محاصل۔ وصولی قرضہ کے ابواب اور دیگر اقسام کے محصولات سب معاف کر دیئے لیکن جزیہ پھر لگایا جس سے راجپوتوں کو ایک قسم کی شکایت ہوئی۔ اورنگزیب نے قحط کے انسداد میں بھی مفید تجاویز کیں اور اپنے خاندان کی قدیمی حکمت عملی پر عمل کر کے اپنے سب سے بڑے بیٹے سلطان محمد معظم کی شادی ایک ہندو راجہ کی لڑکی سے کی۔ اُس نے اپنی قلمرو میں سزائے موت موقوف کر دی۔ ترقی زراعت کی مختلف تدابیر کیں۔ بے شمار کالج اور اسکول قایم کئے۔ سڑک اور پل تعمیر کرائے وہ دربار عام میں رعایا کے مقدمات بذاتِ خود فیصل کرتا تھا اور کسی صوبیدار کی خواہ وہ کتنی ہی دُور کیوں نہ ہو خفیف سی نازیبا حرکت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا تھا۔ وہ جفاکش پرلے درجے کا تھا اور جس بات میں اُسے اپنی سلطنت کا بھلا نظر آتا تھا اُس میں دل و جان سے ساعی رہتا تھا۔ اگر مسلمانوں کی مدح اور ہندوؤں کی مذمت سے قطع نظر کیجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اورنگزیب سخت گیر اور اعلیٰ درجے کی قابلیت کا آدمی تھا۔ اورنگزیب کے عہد میں سلطنتِ مغلیہ میں ایسی عظمت و شوکت تھی کہ تمام دُنیا تعجب کرتی تھی۔ سیاح مغل اعظم کا ذکر اسی طرح کیا کرتے تھے جس طرح یونانی شاہ فارس کا یعنی دولت بے حد ہے۔ اختیار لاانتہا ہے۔ اور شان و شوکت بے نظیر ہے۔ ایک نامی انگریزی شاعر (ڈرائڈن) نے اپنے ایک نہایت نفیس ناٹک میں اورنگزیب کو ہیرو بنایا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پادشاہ جیتے جی کہانیوں کا ہیرو مشہور ہو گیا تھا۔"

مسٹر پرمانند ایم ۔ اے

مسٹر پرمانند ایم ۔ اے نے "ہندو مسلمان اور اُن کے پولیٹکل اور مذہبی تعلقات" کے عنوان سے رسالہ آزاد میں ایک مضمون ۱۹۰۷ء میں شائع کرایا تھا۔ اُس میں وہ لکھتے ہیں کہ :-

"محمود اور تیمور کے حملے کسی طرح ہندو اور مسلمانوں کے تعلقات کے جانچنے کا معیار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اُنہیں نظرانداز کر کے اُس زمانے کو لیتا ہوں جب مغلوں کی پادشاہت قایم ہو گئی اور مسلمان اور ہندو اکھٹے مل جل کر رہنے لگے۔ کتنا ہی عجیب کیوں نہ معلوم ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ ڈیڑھ سو سال مغلوں کی پادشاہت کے نیچے ہندو مسلمانوں کا سوال نہیں اُٹھا۔ پہلے مغل پادشاہوں کی کشادہ دلی اور پالیسی شاہانہ معلوم ہوتی ہے۔ اُن کی ہندو رعایا ان سے اتنا ہی پیار کرتی تھی جتنی کہ مسلمان رعایا ...... اورنگزیب کی دُور بینی اور سیاست میں ذرا بھی شک نہیں .... اورنگزیب نے جزیہ رائج کیا۔ کسی پادشاہ کا اپنی رعایا سے جزیے کی تھوڑی سی رقم لینا کوئی ظلم نہیں۔ اور نہ یہ ہندوؤں پر کوئی بڑا ظلم تھا۔"

آگے چلکر لکھتے ہیں کہ :-

"پنجاب میں بہادر شاہ یا فرخ سیر کے عہد میں جو سکھوں پر تشدد ہوا وہ اس لئے نہیں کہ وہ ہندو تھے۔ بلکہ اِس لئے کہ وہ پادشاہت سے باغی ہو کر ہندو پادشاہی شمال میں قایم کرنا چاہتے تھے ...... تھوڑے عرصے بعد جب سکھوں اور مرہٹوں کی سلطنتیں قایم ہو چکیں تو ہمیں تاریخ نہیں بتاتی کہ مسلمانوں پر ظلم کیا گیا ہو۔"

مسٹر نرندر اناتھ لا

مسٹر نرندرا ناتھ لا۔ اپنی کتاب موسومہ "حکومت اسلامیہ میں ہندوستان کی علمی ترقی"

میں لکھتے ہیں کہ :-

" اورنگزیب نے سخت سزائیں موقوف کر دیں ۔ زراعت کی ہمت افزائی کی ۔ لاتعداد کالیج اور اسکول قایم کئے اور منظم طریقے سے سڑکیں اور پل بنوائے ۔ آج ان علمی و تعلیمی مرکزوں کا کوئی نشان باقی نہیں رہا"

مشہور عالم ڈاکٹر سر پی سی رائے

اخبار مدینہ بجنور کی ۹ مئی ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں آچاریہ سر پی سی رائے مشہور مورخ اور سائنسداں کی تقریر درج کی گئی ہے جو انہوں نے بنگال مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے جلسے میں فرمائی تھی ۔ مدینہ کے شکریہ کے ساتھ وہ تقریر درج ذیل کیجاتی ہے ۔

بنگال برطانوی عہدِ حکومت کی بجائے اسلامی عہدِ حکومت میں بہت زیادہ خوشحال تھا ۔ شہنشاہ اورنگزیب پر آجکل بہت نکتہ چینیاں ہوتی ہیں ۔ انہیں برطانوی مورخوں نے ان تاریخوں میں جو ہندوستان کے کالجوں اور مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں متعصب اور ہندوؤں سے نفرت کرنے والا دکھایا ہے ۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو مصلحت آمیز سیاسیات کے ماتحت اس جھوٹ ۔ افترا پردازی کو سچ جاننے کے لئے مجبور کیا گیا ۔ میں سر جادو ناتھ سرکار ۔ ڈاکٹر موجمدار مورخ تاریخ ڈھاکہ یونیورسٹی اور بہت سے دیگر اشخاص سے جنھیں تاریخ ہند میں مانا جاتا ہے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ کوئی ایک مثال بھی دکھا سکتے ہیں کہ شہنشاہ اورنگزیب نے بنگال کے ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا ہو؟

شہنشاہ اورنگزیب نے بنگال کی حکومت مرشد قلی خان ایک برہمن نومسلم کے سپرد کی کہ وہ یہاں کی مالیات کو درست کر دیں چنانچہ یہاں ہندو اور مسلمان افسروں کے تعاون باہمی کا نتیجہ تھا کہ ان کے زیر نگیں بنگال کے ساتھ نہایت منصفانہ برتاؤ کیا گیا ۔ اورنگزیب کے عہد میں ہی بنگال کے ہندوؤں کو منصبداری اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں اور بڑے بڑے زمیندار بنا دیئے گئے

اورنگزیب نے ہندوؤں کو گورنر بنایا۔ گورنر جنرل بنایا۔ وائسرائے بھی بنایا جنرل اور کمانڈر ان چیف بھی بنایا۔ یہانتک کہ اُس نے خالص اسلامی صوبے افغانستان پر بھی جو نائب دار السلطنت مقرر کیا تھا وہ ہندو ہی راجپوت ہی تھا۔ کیا برطانیہ اورنگزیب عالمگیر کی وسیع القلبی شرافت اور بخششوں کا ہزارواں حصّہ بھی لکھا سکتی ہے۔ مگر آج اورنگزیب کو سیاسی مورخین متعصب کہہ رہے ہیں ؎

سیواجی کو آجکل تاریخوں میں ہندو دھرم کا ایک زبردست ہیرو بیان کیا گیا ہے۔ مگر ایسا کہنا قطعی سیاست ہے تاریخ نہیں۔ کوئی سائنسداں اس من گھڑت افسانے کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ سیواجی کے مقابلے پر راجہ جے سنگھ تھے جنھیں ایک ہندو سردار سیواجی کی بغاوت کا قلع قمع کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا مہاراجہ جے سنگھ نے شہنشاہ اورنگزیب سے بار بار شکایت کی تھی کہ اس مہم میں دکن کے مسلمان کمانڈر اور مسلمان سردار اُن کی (راجہ جے سنگھ کی) امداد نہیں کرتے۔ کیا کوئی سلیم العقل انسان ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال کر سکتا ہے کہ سیواجی کے ساتھ لڑائیاں مذہبی یا فرقہ وارانہ معرکہ آرائی تھی۔ یہ محض ایک سیاسی جنگ تھی اور منجملہ بغاوتوں کے ایک بغاوت تھی۔ آج بھی برطانیہ اورنگزیب اور شیرشاہ سے بہت کچھ سبق سیکھ سکتی ہے۔ جنہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے آرام و آسایش کیلئے سڑکیں تعمیر کیں اور ان پر جگہ جگہ کاروان سرائے قایم کر کے اُن کی مذہبی اور معاشری زندگی کے لئے سرکاری طور پر انتظامات کئے۔ یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ انسانوں میں امتیاز روا نہیں رکھتا۔ اور یہی اسلامی مساوات تھی نہ کہ تلوار جس نے بہت سے ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام بنا دیا۔ ایک بنگالی مسلمان کو کریدو تمہیں اُس کی نسوں میں ہندو خون دوڑتا نظر آئے گا۔ پس ہندو اور مسلمانوں کے نام میرا پیغام ہے کہ وہ اپنے تمام اختلافات ختم کر دیں اور ایک متحدہ قوم کی طرح مل جل کر کام کریں۔ جس طرح تاریخ ہند کے زریں عہد میں ہندو۔ مغل وائسرائے افغانستان پر حکومت کیا کرتا تھا اور مسلمان مغل وائسرائے دکن پر

جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ حکومت کیا کرتا تھا۔ درحقیقت یہ عہد سوراج کا سچا نمونہ تھا۔"

خاتمہ

میں نے اپنی معمولی سمجھ اور محدود قابلیت کے موافق یہ گلدستہ تیار کیا ہے۔ اس میں چالیس سے زیادہ ہندو مصنفین۔ ہندو علماء۔ ہندو محققین۔ ہندو مضامین نگار۔ ہندو لیڈروں اور ہندو پرفیسروں کے الفاظ و اقوال و خیالات و ریویوز جو انہوں نے عالمگیر اورنگزیب کے متعلق بیان کئے ہیں معہ حوالجات مناسب ترتیب کے ساتھ فراہم کر دیئے ہیں۔ بعض بعض جگہ میں نے وہ واقعات وحالات بھی لکھے ہیں جو مورخ اسلام علامہ اکبر شاہ خان صاحب مرحوم سے مختلف اوقات میں سنے تھے اور میرے دماغ میں محفوظ تھے۔ لیکن میرے الفاظ بالکل الگ نظر آجاتے ہیں۔ ایسا کہیں نہیں ہوا کہ میرا بیان ہو اور کسی ہندو مصنف کا بیان سمجھا جائے۔ بنابریں میری حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک مؤلف کی ہو سکتی ہے۔ مصنف اس کتاب کے چالیس سے زیادہ ہندو اہلِ قلم اور ہندو مصنفین ہی ہیں۔

میں نے اِس کتاب کو کس غرض سے تالیف کیا اور اِسکی اشاعت سے میرا کیا مقصد ہے وہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ یہ خیال کرنا کہ ایک فوت شدہ مسلمان بادشاہ کی حمایت اور اس کی تصویر کو خوبصورت بنا کر پیش کرنا اصل مقصد ہے سراسر غلط اور نادرست خیال ہے۔ عالمگیر اچھا آدمی تھا یا بُرا اس کا فیصلہ اب کرنا جبکہ اُس کو فوت ہوئے قریباً ڈھائی سو سال ہو گئے ہیں بالکل فضول اور غیر ضروری چیز ہے اور دُنیا میں لاتعداد انسان پیدا ہو کر اور زندہ رہ کر مر چکے ہیں۔ ہم کس کس کے اچھا یا برا ہونے کی تحقیق کر سکتے ہیں اور کس طرح اس غیر ضروری اور غیر ممکن کام کو انجام دے سکتے ہیں؟ عالمگیر کا معاملہ محض اس لئے قابلِ توجہ اور مستحق التفات ہو گیا ہے کہ اُس کو بعض خود غرض اشخاص اور دشمنِ ملک و قوم طاقتوں اور ہندوستان کو حماقت و جہالت کی تاریکیوں میں مبتلا رکھ کر ذلیل و رسوا کرنے والوں نے عالمگیر اور سلطنتِ عالمگیر کو آلہ کار اور

ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے لڑانے اور دلوں میں نفرت پیدا کرنے کا کامیاب ذریعہ بنا رکھا ہے۔ لہٰذا میں نے ہندو مسلمانوں کی بے جا اور نقصان رساں منافرت کو دور کرنے اور بالخصوص ہندو اہلِ وطن کو غلط فہمیوں سے نکالنے کے لئے اِس کتاب کا مرتب کرنا ضروری سمجھا میں نے اِس کتاب میں اپنی طرف سے کسی جگہ بھی عالمگیر کی قصیدہ خوانی نہیں کی اور نہ میں اس کو ضروری سمجھتا ہوں کہ پادشاہوں کی قصیدہ خوانی کیجائے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں خلفائے راشدین کی حکومت کو صحیح نمونۂ حکومت یقین کرتا اور مروجہ شاہیت اور وراثتی سلطنت کو کہ کسی مخصوص خاندان کو شاہی خاندان قرار دیا جائے اور ایک پادشاہ کے مرنے پر اُس کے بیٹوں کو سلطنت و حکومت کا حقدار سمجھا جائے اسلام اور انسانیت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اسی میں عالمگیر کا شاہی خاندان بھی شامل ہے اور عالمگیر کے بزرگوں کا مغلیہ خاندان کیا میرے عقیدے کے موافق تو بنو امیہ اور بنو عباس کے خاندانوں کی حکومت بھی نظامِ اسلام کے موافق نہ تھی لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس طرح اموی و عباسی خاندانوں میں بعض نیک اور مستحق ستائش فرمانروا پیدا ہوئے اسی طرح مغلیہ خاندان میں بھی بعض قابلِ ستائش فرمانروا پیدا ہوئے اور عالمگیر کو انہی میں شامل کیا جا سکتا ہے؛

میرا خیال ہے کہ اگر اس کتاب کو ہندوستان اور ہندوستانی قومیت سے محبت رکھنے والے ہندو مسلم تعلقات کے خوشگوار بنانے کے لئے تعلیم یافتہ طبقہ کو مطالعہ کرانے کی کوشش کریں تو بہت کچھ مفید نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محمد ایوب خان
نجیب آبادی